رشتہ داروں اور عزیز و اقارب کے
گھروں میں داخل ہونے کے لیے



# اجازت لینے کے احکام

تالیف:
احمد بن سلیمان العریني

ترجمہ:
ابو عثمان خبیب احمد سلیمی



حدیبیہ پبلیکیشنز
رحمان مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

اجازت لینے کے احکام
www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

رشتہ داروں اور عزیز و اقارب کے گھروں میں داخل ہونے کے لیے

# اجازت لینے کے احکام



تالیف:
احمد بن سلیمان العریني

ترجمہ:
ابو عثمان خبیب احمد سلیمی

حدیبیہ پبلیکیشنز
رحمان مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور
Ph:+92-42-7242604

نام کتاب ........................ اجازت لینے کے احکام

مؤلف ........................ احمد بن سلیمان العرینی

ترجمہ ........................ ابو عثمان خبیب احمد سلیمی

اشاعت اول ........................ ستمبر 2003

تعداد ........................ ایک ہزار

قیمت ........................ -/46 روپے

ناشر ........................ سمیع اللہ

مطبع ........................ موٹر وے پریس

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# فہرست مضامین

## تیسری فصل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# عرضِ ناشر

اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔ اسلام بنی نوع انسان کے لیے تمام قواعد وضوابط مقرر کر دیئے گئے ہیں۔ ہماری یہ کتاب ''اجازت لینے کے احکام'' ایک معاشرتی پہلو پر نظر ڈالتی ہے۔ قرآن وسنت میں کسی کے گھر جانے کے لیے تمام احکام واضح طور پر بیان کر دیئے گئے ہیں۔ جو کوئی ان احکامات پر عمل کرتا ہے وہ تو کامیاب زندگی گزارتا ہے اور جو کوئی ان احکامات کی پرواہ نہیں کرتا یقیناً وہ خسارے کا سودا کرتا ہے۔ آج ہمارا معاشرہ جس جدیدیت میں مبتلا ہے اسی وجہ سے بہت سا فساد پیدا ہو رہا ہے۔ مثلاً آج ہمارے معاشرے میں یہ بیماری عام پائی جا رہی ہے کہ اگر کسی کے گھر میں جائیں تو اجازت لینے کی زحمت نہیں کی جاتی۔ رشتہ دار بغیر اجازت کے رشتہ داروں کے گھر میں آتے جاتے ہیں جس سے برائی اور فتنے پھیل رہے ہیں۔ ایک دوست جب کسی دوسرے دوست کے ہاں جاتا ہے۔ تو ان دونوں کے درمیان نہ تو اجازت لینے کا کوئی اصول ہوتا ہے اور نہ دوست کی بیوی اس کے دوست سے پردہ کرتی ہے۔ نتیجتاً فتنہ وفساد کا خطرہ بڑھتا جاتا ہے۔ اگر ہم لوگ احتیاط سے کام لیں اور اپنی زندگی کو اسلام کے مطابق ڈھالیں تو ہم ایسی ذلت سے بچ سکتے ہیں۔ ہم اسلامی اصولوں کو اپناتے ہوئے جب کسی کے گھر جائیں تو اجازت لینے کے لئے ان کے دروازے کو کھٹکھٹائیں اور ایک طرف کھڑے ہو جائیں اور اندر

سے جواب کا انتظار کریں۔ اگر تو اجازت مل جاتی ہے تو اندر جائیں اگر اجازت نہیں ملتی تو واپس آ جائیں اس بات کو دل میں نہ رکھیں کہ گھر والے نے ہمیں اجازت نہیں دی۔ گھر والوں کو یہ حق ہے کہ آپ کو اندر آنے کی اجازت دے یا نہ دے۔ کسی شخص کو بلا اجازت کے گھر میں جھانکنے' داخل ہونے' یا ان کے پوشیدہ معاملات معلوم کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ اللہ سے دعا ہے کہ اللہ ہم سب کو قرآن و حدیث کے مطابق زندگی بسر کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہماری اس اشاعت کو قبول و منظور فرمائیں۔ آمین۔

محتاج دعا : سمیع اللہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

# تقریظ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَ صَلَّی اللّٰہُ وَسَلَّمَ عَلٰی نَبِیِّنَا مُحَمَّدٍ مُعَلِّمِ الْاَدَبِ وَ کُلِّ خَیْرٍ ........... و بعد !

میں نے اس کتاب کو پڑھا اور اسے اس موضوع میں مفید پایا۔ اور یہ کتاب نشرواشاعت کے قابل ہے تاکہ اس کا فائدہ عام لوگوں کو بھی ہو۔ اور اس کا موضوع ایسا ہے جس سے کوئی مسلمان بھی مستغنی نہیں ہے کیونکہ اسے اپنے رشتہ داروں اور دوستوں وغیرہ کے گھروں میں داخل ہونے کی ضرورت پڑتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے گھر میں داخل ہونے سے قبل اجازت لینے کا حکم فرمایا ہے اور رسول اکرم ﷺ نے بھی اپنے قول وفعل سے اس بات کو واضح کر دیا ہے۔

اس لحاظ سے ''اجازت طلب کرنا'' نہایت ضروری معاملہ ہے کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل ہے۔ اور اس کتاب میں اسی بات کو بڑے واضح اور آسان انداز میں پیش کیا گیا ہے جسے پڑھنے والا بلا تکلیف ومشقت سمجھ سکتا ہے۔

چونکہ اس موضوع کی بڑی اہمیت ہے اور یہ موضوع کسی اور جگہ کتابی شکل میں نہ ہونے کی وجہ سے (جیسا کہ ہم جانتے ہیں) میں اپنے بھائیوں کو اس کتاب کے پڑھنے اور اس سے فائدہ اٹھانے کی نصیحت کرتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ اس کے لکھنے والے کو جزائے خیر عطا فرمائے اور ان کے علم میں اور اس کتاب سے نفع اٹھانے میں برکت فرمائے۔

عبداللہ بن محمد غنیمان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# مقدمة

اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِيْنُهٗ وَ نَسْتَغْفِرُهٗ وَ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَ مِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَ مَنْ يُّضْلِلْ فَلَا هَادِیَ لَهٗ.

وَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ عَلٰی اٰلِهٖ وَ صَحْبِهٖ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا ...... **امابعد!**

اسلام نے معاشرتی اور اجتماعی تربیت کا بہت اعلیٰ اہتمام کیا ہے اور اس نے کوئی چھوٹی بڑی چیز نہیں چھوڑی جس کی تفصیل و وضاحت نہ کی ہو لہٰذا اس نے حقوق والدین، حقوق زوجین، اولاد کے حقوق، ہمسایوں کے حقوق اور تمام اسلامی آداب و معاملات کی وضاحت فرمائی ہے اور ان تمام آداب میں ''اجازت لینے کا آداب'' بھی شامل ہے۔ تمام معاشرتی امور میں سے ''ادبِ استیذان'' ایک واضح امر ہے۔ اور یہ اتنا حساس معاملہ ہے کہ دوسروں کے ذہنوں میں اپنی ضرورت کا احساس پیدا کر ہی دیتا ہے۔ اور اسلام نے اس ادب کا بڑا ہی اہتمام کیا ہے اور اس کے لیے اسلام کے اہتمام کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے ساتوں آسمانوں کے اوپر سے اس کے احکام نازل فرمائے اور بذاتِ خود اس کی شرعی حیثیت و بیان کی سرپرستی فرمائی۔ اور اس کو کلی طور پر تفصیل سے ایک ایسی سورت میں بیان فرمایا جو فرد اور معاشرہ کی ضرورت کے بڑے بڑے احکام پر مشتمل ہے اور

رسول کریم ﷺ نے ان احکام کو نافذ کیا اور اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کے لیے بہترین انداز میں اس وقت بیان فرمایا جبکہ ان میں جاہلیت کے کالے قوانین قائدانہ حیثیت اختیار کیے ہوئے تھے۔

آپؐ نے اپنی وفات سے پہلے پہلے ان اسلامی آداب کو اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں رائج کر دیا اور ان کے دلوں میں انہیں راسخ کر دیا۔

موجودہ دور میں کچھ لوگ تو واقعی جاہل ہیں اور کچھ لوگوں نے ''استیذان'' کے احکام و آداب سے تجاہل عارفانہ اختیار کر رکھا ہے۔

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ بعض لوگ تو ان سے غفلت برتتے ہیں اور کچھ دوسرے لوگ ان آداب کو ان مغربی لہجوں میں بدل دیتے ہیں جن کی اللہ تعالیٰ نے کوئی دلیل فراہم نہیں کی اور اسلام ان آداب سے بے نیاز ہے۔ کیونکہ وہ ہر زمان و مکان سے نپٹنے کی مکمل صلاحیت رکھتا ہے۔ وللّٰہ الحمد و المنۃ.

اسلامی معاشروں میں ان آداب کی جو کمی دیکھی جا رہی ہے وہ اہل علم اور داعی حضرات کی وجہ سے ہے جو خود ان آداب پر عمل پیرا ہونے سے قاصر ہیں حالانکہ ان پر واجب تھا کہ وہ خود اپنے عمل سے لوگوں کے لیے ان کی مثال پیش کرتے اور دینی امور میں ان کے دلوں میں بصیرت پیدا کرتے۔

اور اس میدان میں شرکت کے لیے میں نے اس عظیم الشان ادب کو بالکل موزوں بحث میں پیش کیا ہے اور اس لیے بھی کہ لوگوں کو اپنی روز مرہ زندگی میں ضرورت پیش آتی رہتی ہے۔ کیونکہ لوگوں کو اپنے اندر اسلامی تربیت اجاگر کرنے کی بڑی ضرورت ہے سلف صالحین کی کتب میں اس موضوع کو بڑی اہمت حاصل رہی لیکن اس کو ایک مختصر بحث میں ڈھالنے کی ضرورت محسوس کی جاتی رہی اور عوام کے لیے اس کا اظہار بھی ضروری خیال کیا جاتا رہا۔ کیونکہ اس زمانے میں لوگوں نے ان آداب کو پڑھنے میں کوتاہی کی اور ان پر عمل پیرا ہونے میں سستی دکھائی۔ لوگ مختصر

مجموعات کی ضرورت محسوس کرتے رہے جو ان کے سامنے مختصر انداز میں اس موضوع کو پیش کرے۔

میں نے استیذان کی اس بحث اور اس کے آداب میں قرآن و سنت کے دلائل کو مدنظر رکھا ہے' آیات کو اختصار سے پیش کیا اور اسبابِ نزول کو بھی مختصر طور پر ذکر کر دیا ہے اور بعض مسائل میں علماء کے اقوال اور آیات سے متعلقہ احادیث کو بھی نقل کیا ہے۔

پھر میں نے موضوع سے متعلقہ احادیث کو پیش کیا ہے اور ان کے اصل کتابوں سے حوالے دے دیئے ہیں۔ جو احادیث صحیحین کی ہیں یا بخاری و مسلم کی جدا جدا ہیں' میں نے ان پر اکتفا کیا ہے اور جو ان کے سوا ہیں ان کی طرف میں نے اشارہ کر دیا ہے اور ان کے متعلق محدثین کا کلام ذکر کر دیا ہے اور جن کے حوالہ جات کتب حدیث سے نہیں مل سکے ان کو ان کے ان مصادر سے منسلک کر دیا ہے جہاں سے میں نے ان کو حاصل کیا ہے۔ اور جن احادیث کو محدثین نے ضعیف کہا ہے' ان کو میں نے چھوڑ دیا ہے۔

اور کتاب و سنت کے خلاف مسائل کو بالکل مختصر ذکر کیا ہے اور راجح بات کو محققین کے اقوال اور اس کی دلیل سمیت ذکر کر دیا ہے اور مرجوح بات کو اختصار کے پیش نظر ترک کر دیا ہے۔

اور میرا یہ مجموعہ' مقدمہ' تمہید' تین فصلوں' خاتمہ اور فہرستِ مضامین پر مشتمل ہے جس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

**مقدمہ:**

موضوع کی اہمیت اور اس میں اختیار کردہ اصولوں کے بارے میں۔

**تمہید:**

استیذان کی تعریف اور اس کی شرعی حکمت کے بارے میں۔

## پہلی فصل:

قرآن کریم میں استیذان کا بیان۔ اور اس میں پانچ بحثیں ہیں:

❶ استیذانِ عام

❷ استیذانِ خاص

❸ واپس ہوتے وقت اجازت طلب کرنا۔

❹ گھر میں داخل ہوتے وقت اجازت طلب کرنا۔

❺ استیذان کی آیات کا نسخ سے علیحدہ ہونا۔

## دوسری فصل:

سنتِ مطہرہ میں استیذان کے احکام۔ اور اس میں سات بحثیں ہیں:

① استیذان کا حکم

② استیذان کے صیغے

③ کئی مرتبہ اجازت مانگنا۔

④ ذی محرم کے پاس (جانے کے لیے) اجازت طلب کرنا۔

⑤ سلام اجازت لینے سے پہلے کرے یا بعد میں

⑥ بلا اجازت کسی کے گھر میں جھانکنا اور اس کی سزا۔

⑦ کیا آدمی کا پیغام بھیجنا اس کی اجازت ہے؟

## تیسری فصل:

سنتِ مطہرہ میں استیذان کے آداب۔ اور اس میں پانچ بحثیں ہیں:

❶ مناسب اوقات کو اختیار کرنا۔

❷ دروازے پر کھڑے ہونے کا شرعی طریقہ

❸ اجازت لینے والے سے جب پوچھا جائے تو اپنا نام بتائے۔

❹ مسلمان کے لیے داخل ہونے کے ضروری آداب

5 اجازت طلب کرنے میں تنبیہات

**خاتمہ:**

اس میں بحث کے تمام نتائج کا خلاصہ ہے۔

**فہرست:**

اس میں موضوعات اور مصادر و مراجع کی تفصیل ہے۔

میں اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ وہ میرے اس عمل کو خالص اپنے لیے قبول فرمائے۔ اور اپنے پیغمبر ﷺ کی سنت کے مطابق بنائے اور پڑھنے والے کو نفع پہنچائے اور لکھنے والے کے لیے اس کو اس دن کے واسطے ذخیرہ اور توشہ بنائے جس دن مال اور بیٹے نفع نہ دیں گے صرف وہی کامیاب ہوگا جو قلبِ سلیم لے کر آئے گا۔

وَ صَلَّى اللّٰهُ وَسَلَّمَ عَلٰى نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ ﷺ وَ عَلٰى اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ.



احمد بن سلیمان العرینی

۱۱/۸/۱۴۱۳ء
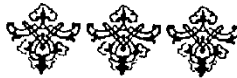
# استیذان کی تعریف اور اس کی شرعی حکمت

## لغوی تعریف:

علمائے لغت نے لفظ "إذن" کے مختلف استعمالات بیان فرمائے ہیں اور سب سے زیادہ قابل ذکر معنی "جاننا اور معلوم کرانا" ہے..... کہا جاتا ہے:

اِذْنًا وَاَذَانَةً. "جاننا"۔ (المعجم الوسیط ۱/۱۱ مادہ أذن)

اور ابن منظور نے کہا ہے:

اٰذَنَهُ الْاَمْرَ اَعْلَمَهُ. "اس کو معاملہ سمجھا دیا، معلوم کرا دیا"۔ وَاَذَّنْتُ اَكْثَرْتُ الْاِعْلَامَ "میں نے بہت زیادہ معلوم کرایا"۔ وَالْاَذَانُ اَ لِاْعُلَامُ. "اور اذان میں اطلاع دینے معلوم کروانے کے معنی میں ہے۔"۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَ اَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖۤ اِلَى النَّاسِ ﴾ (التوبة : ۳) ای الإعْلَامُ.

"..........................."۔

وَ اَذِنَ لَهٗ فِي الشَّيْءِ اِذْنًا : اَبَاحَهٗ لَهٗ.

"اس کو جائز کر دیا اس کے لیے"۔

اَذَّنَ تَاْذِيْنًا. (لسان العرب ۹/۱۳ مادہ اذن)

"زیادہ معلوم کرایا"۔

اور فیروز آبادی نے کہا ہے:

اَذِنَ بِالشَّيْءِ عَلِمَ بِهٖ اس کو جان لیا وَاسْتَاْذَنَهٗ اس نے اجازت طلب

کی۔ (القاموس المحیط ۱۵۱٦ مادہ اذن)

اور استیذان کو استیناس سے تعبیر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ معنی میں استعلام کی طرح ہے۔ (احکام القران لابن العربی ۳/۱۳۵۹)

اور ''اذن'' کی قرآن کریم میں موقع ومحل کے لحاظ سے تفسیر کی گئی ہے فرمانِ الٰہی ہے:

﴿ قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ﴾ (البقرة : ۹۷)

''ان سے کہو جو کوئی جبریل (علیہ السلام) سے عداوت رکھتا ہے اسے معلوم ہونا چاہیے کہ جبریل (علیہ السلام) نے اللہ ہی کے اذن اور اجازت سے یہ قرآن تمہارے قلب پر نازل کیا ہے''۔

اَیْ بِعِلْمِهٖ وَ اِرَادَتِهٖ وَ تَسْهِيْلِهٖ وَ تَيْسِيْرِهٖ.

''یعنی اس کے علم اور ارادے سے اور اس کی آسانی اور نرمی سے نازل کیا ہے''۔ (فتح القدیر للشوکانی ۱/۱۱۷)

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ﴾ (ال عمران : ۱٤٥)

''کوئی ذی روح اللہ کے حکم کے بغیر نہیں مر سکتا''۔

اَیْ بِاَمْرِهٖ وَ قَدْرِهٖ.

''یعنی اس کے حکم اور اس کی تقدیر کے بغیر''۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ﴾ (النساء : ٦٤)

''ہم نے جو رسول بھی بھیجا ہے اسی لیے بھیجا ہے کہ اذنِ خداوندی سے اس کی اطاعت کی جائے''۔

اَیْ بِاَمْرِہٖ وَ تَوْفِیْقِہٖ.

''یعنی اللہ کے حکم اور اس کی توفیق سے''۔

اور لفظ استیذان طلب کے معنی دیتا ہے کیونکہ سین اور تاء طلب کے معنی پر دلالت کرتے ہیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اس بحث میں لفظ اذن کے بہت سے معنی ہمارے سامنے آئے ہیں جن میں سے اہم یہ ہیں: جاننا، معلوم کرانا، جائز کرنا، اجازت لینا اور آواز دینا۔ (ادب الاستیذان ١٧)

## اصطلاحی تعریف:

فقہاء کی اصطلاح میں استیذان ''رکاوٹ کو توڑنا'' کے معنی میں ہے یعنی کسی شرعاً ممنوع چیز کے استعمال میں آزادی حاصل کرنا۔ (التعریفات: ١٥)

اس معنی کی روشنی میں ہم اس (اذن) کی تعریف یوں بھی کر سکتے ہیں:

''کسی پوشیدہ چیز پر نگاہ پڑنے کے ڈر سے باادب اجازت کی درخواست کرنا''۔

یا ...... ''کسی شرعی وجہ سے ممنوع چیز کو جائز کرنے کی درخواست کرنا''۔

(ادب الاستیذان ١٨)

اور ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ کسی ایسی جگہ یا ایسے وقت میں داخل ہونے کی اجازت طلب کرنا جس کا اجازت چاہنے والا مالک نہ ہو۔ (فتح الباری ١١/٥)

## استیذان کی حکمت:

اس میں کوئی شک نہیں کہ اجتماعی مقاصد بلند مقاصد کی طرف لے جاتے ہیں اور ان کو مقرر کرنے میں بہت سے احکام اور حکمتیں مضمر ہیں جنہیں صرف سمجھدار لوگ ہی جانتے ہیں اور تشریعات اسلامیہ کی مشمولات میں اسلامی معاشرہ کی خوش بختی پنہاں ہے اور اس کی تعمیر (اخلاق) ایک جداگانہ ہے۔ تاکہ ایمان، نیکی اور تقویٰ والا معاشرہ اپنی بلندیوں، خصوصیتوں اور احوال کی وجہ سے باقی معاشروں

سے ممتاز ہو سکے۔ چنانچہ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ﴾ (ال عمران : ١١٠)

''اب دنیا میں وہ بہترین گروہ تم ہو جسے انسانوں کی ہدایت و اصلاح کے لیے میدان میں لایا گیا ہے تم نیکی کا حکم دیتے ہو، بدی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو''۔

اور ادبِ استیذان کے اسرار و رموز میں احتیاطی نظریہ اس کی حکمتوں اور سچائی کو ظاہر کرتا ہے انسان ضروری قوتوں' شہوات' رجحانات اور مرغوبات کو چاہنے والا ہے اور ہر ایک (انسانی ضمیر کے روکنے سے) اپنے آپ کو شہوت کی انجام دہی اور اس کے اسباب سے نہیں روک سکتا اور نہ ہی مروت و نخوت سے رُک سکتا ہے' جس طرح کہ ایمانی محرکات سے رُک جاتا ہے۔

شریعتِ اسلامیہ آسان احکام اور دور رس نتائج کی حامل ہے چنانچہ جب وہ کسی شے کو حرام کرتی ہے تو اس کے ہر سبب اور محرک (جو اس کی رہنمائی کرتا ہو) کو بھی حرام کر دیتی ہے۔ مثال کے طور پر جب اس نے زنا کو حرام قرار دیا تو اس نے اس کے محرکات کو بھی حرام قرار دے دیا' یعنی کسی غیر محرم کی طرف دیکھنا' اس کے ساتھ علیحدگی اختیار کرنا اور زیب و زیبائش کا اظہار اور ہر وہ بات جو زنا کی طرف لے جاتی ہے...... اسی طرح جب غناء (گانا بجانا) کو حرام کیا تو اس کے تمام محرکات بھی حرام قرار دے دیے۔ جیسا کہ بعض اہل علم نے غناء کو زنا کا پیامبر کہا ہے کیونکہ اسلامی نظریات بہت ہی دور رس نتائج کے حامل ہیں جن کا ہر انسان ادراک نہیں کر سکتا۔

## اسلامی معاشرہ میں نظر (دیکھنے) کے عام خطرات:

بدنِ انسانی کی تمام نعمتوں میں دیکھنے کی نعمت سب سے اشرف اور بڑھ کر

ہے اور جس قدر کوئی نعمت عظیم ہوتی ہے اس کے خطرات بھی اتنے ہی زیادہ ہوتے ہیں...... جو شخص اس اشرف حواس (نظر) کی حفاظت نہیں کرے گا وہ بدترین فعل (زنا) میں مبتلا ہو جائے گا۔ ویسے تو اسلام نے مصلحت اور ضرورت کے تحت نظر کو (غیر محرم کے سوا) استعمال کرنے کی اجازت دی ہے جیسا کہ منگنی کرنے والے کا اپنی منگیتر کو دیکھ لینا...... بلکہ بعض علماء نے تو اسے مستحب کہا ہے۔ اور انسان کا اپنے ذی محرم کو دیکھنا۔

جب حرام کردہ نظر اس مسلم معاشرہ کے لیے عظیم خطرات پیدا کرتی ہے' جو باقی معاشروں سے جاہ و حشمت اور پردہ پوشی کے اعتبار سے ممتاز اور نمایاں ہے تو شریعتِ اسلامیہ نے کچھ ایسے اطوار و آداب مقرر کیے ہیں جو معاشرہ کی مصلحتوں کو ساتھ لے کر چلتے ہیں۔ اور اجازت مانگنا بھی انہی آداب کی ایک کڑی ہے' یہاں تک کہ اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ نے خود قرآن مجید میں استیذان کے آداب کو نازل فرمایا ہے اور یہ شریعت کے کمالات میں سے ہے کیونکہ یہ شریعت ہر چھوٹے بڑے معاملہ کو بیان کرتی ہے اور حق تعالیٰ کے اس بیان سے استیذان کی اہمیت بھی واضح ہے۔

استیذان ایک ایسا بلند ادب ہے جو گھروں کی ممنوع اشیاء کی حفاظت کرتا ہے اور کئی ممنوع اشیاء بڑی عظمت والی ہوتی ہیں اور ایسی اشیاء سے مسلمانوں کے سب گھر بھرے پڑے ہیں اور کون سی حرمت اس حرمت سے بڑھ کر ہو سکتی ہے جو محمد مصطفیٰ ﷺ کو اس بات پر مجبور و آمادہ کرتی ہے کہ آپؐ ہر اس شخص کی آنکھ کو پھوڑ دینے کی اجازت دیں جو دوسرے لوگوں کے گھروں میں ان کی اجازت کے بغیر جھانکتا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے صحیحین میں مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

لَوْ اَنَّ امْرَأً اِطَّلَعَ عَلَيْكَ بِغَيْرِ اِذْنٍ فَخَذَفْتَهٗ بِحِصَاةٍ فَفَقَأْتَ عَيْنَهٗ لَمْ يَكُنْ

عَلَيْكَ جُنَاحٌ[1]

''اگر کوئی آدمی بلا اجازت تیرے گھر میں جھانکے اور تو (غصہ میں آ کر) اس کی طرف کوئی کنکری پھینک کر اس کی آنکھ پھوڑ دے تو تجھ پر کوئی سرزنش اور گرفت نہ ہوگی''۔

استیذان سے گھروں کو عزت نصیب ہوتی ہے اور اہل خانہ کو باپردہ چیزوں پر اچانک نظر پڑنے سے جو تکلیف لاحق ہوتی ہے' اس سے انہیں بچاتا ہے...... فوری طور پر ذہن میں آنے والی اشیاء کے علاوہ اور بھی بہت سی چیزیں چھپانے کے قابل ہیں۔ انسانی جسم ہی صرف چھپانے والی چیز نہیں ہے بلکہ کھانے پینے' لباس اور گھریلو استعمالات کی چیزیں بھی چھپانے کے قابل ہوتی ہیں جن کے بارے میں لوگ اچانک نظر پڑنے کو پسند نہیں کرتے کیونکہ ان کو باترتیب رکھنے' سجانے اور تیار کرنے کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ باتیں ذہنی طور پر نفسیات سے تعلق رکھتی ہیں۔

پس ہم میں سے کتنے ہیں جو یہ پسند نہیں کرتے کہ کوئی ان کو (حالات سے متاثر ہوکر) کمزوری کی حالت میں روتے ہوئے دیکھے یا کسی متاثر کرنے والے واقعہ کی وجہ سے غصہ میں ہو یا کسی تکلیف سے درد محسوس کر رہا ہو اور اس حالت کو اجنبی حضرات سے چھپانا چاہتا ہو۔ (فی ظلال القرآن ۸۹/۶)

استیذان کے احکام میں یہ بھی ہے کہ مسلمان عورت اپنی زیب وزیبائش کو غیر محرم کے دیکھنے سے بچائے...... سورۃ نور کی ترتیبِ موضوعات سے پتہ چلتا ہے کہ استیذان (اجازت طلب کرنے) کی آیات' تہمت اور زنا کی حد مقرر کرنے اور ان

---

[1] رواه البخاری فی کتاب الدیات باب من اطلع علی بیت قوم ففقأوا عینه فلا دیة له (۲۵۳/۱۲) فتح الباری و مسلم فی کتاب الأداب باب تحریم النظر فی بیت الغیر (۱۳۸/۱٤) بشرح النووی۔

سے اجتناب کی آیات کے بعد وارد ہوئی ہیں۔

امام شوکانی رحمہ اللہ اس موضوع کے ضمن میں فرماتے ہیں:

"جب اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ زنا اور تہمت کی ڈانٹ سے فارغ ہوا تو اس نے گھروں میں بلا اجازت داخل ہونے کی ڈانٹ کا ذکر چھیڑ دیا کیونکہ گھروں میں مرد وزن کے اختلاط اور بلا اجازت داخل ہونے سے کبھی کبھی زنا یا تہمت کے اسباب ومحرکات پیدا ہو جاتے ہیں"۔

(فتح القدیر ۴/۱۹)

ادبِ استیذان شکوک وشبہات کی بدزبانیوں کو روکنے کا ایک مؤثر طریقہ ہے۔ کیونکہ جب کوئی آدمی کسی گھر میں بلا اجازت داخل ہو (جب کہ اہل خانہ کی طرف سے یہ گوارا بھی ہو) اور اس کو داخل ہوتے یا نکلتے ہوئے کوئی آدمی دیکھ کر اس (داخل ہونے والے) کو یا گھر والوں کو کسی ایسی بات سے متہم کر دے گا جس کا کسی کے ذہن میں خیال تک نہ ہوگا۔

اور بعض اوقات نکلتے وقت خود گھر کا مالک اس شخص کو دیکھ لیتا ہے جب کہ گھر میں صرف اس کی اکیلی بیوی ہی تھی تو طرح طرح کے گمان اس کے ذہن میں گھومنے لگیں گے۔ اور ایسے موقع کو شیطان اپنے لیے ایک موافق میدان خیال کرے گا۔

اور کبھی کبھی گھر کی بربادی تک معاملہ پہنچ جاتا ہے اور یہی بات بچوں کی یتیمی کا سبب بن جاتی ہے۔ (یعنی وہ اس عورت کو یا آدمی کو قتل کر دیتا ہے) اور کمزور ایمان والوں کے لیے بات کرنے کے مواقع فراہم ہو جاتے ہیں۔ اور وہ لوگوں کی عزت وشرف پر ایسے نازیبا گمان باندھ لیتے ہیں جس کا حقیقت سے کوئی واسطہ ہی نہیں ہوتا۔

اور شریعت کے کمالات میں یہ بات شامل ہے کہ اس نے استیذان کا

تفصیلی ذکر فرمایا ہے جیسا کہ عنقریب آپ ملاحظہ فرمائیں گے (ان شاء اللہ) اور اس میں استیذانِ خاص و عام دونوں مذکور ہیں۔

اور اللہ نے غلاموں اور چھوٹے بچوں کے لیے تین اوقات کے علاوہ گھروں میں بلا اجازت آنا جانا جائز قرار دیا ہے کیونکہ مالکوں اور گھر والوں کو ان کی بار بار ضرورت پڑتی رہتی ہے مگر تین اوقات میں ان کے لیے بھی اجازت لینا فرض قرار دیا ہے اور وہ اوقات یہ ہیں فجر سے پہلے' دوپہر کے وقت اور عشاء کے بعد۔

ان اوقات میں کسی انسان کے لیے بھی بلا اجازت داخل ہونا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ لوگ ان اوقات میں اپنی ازواج کے ساتھ تنہائی میں ہوتے ہیں۔ اسی لیے غلاموں اور بچوں سمیت سبھی کے لیے داخلہ ممنوع قرار دے دیا گیا۔ تاکہ ان کی نظریں اپنے گھر والوں کے قابل پردہ حصوں پر نہ پڑیں اور اس ادب سے بعض لوگ غفلت برتتے ہیں۔ اور اعتقاد رکھتے ہیں کہ غلام اور چھوٹے بچوں کی نگاہیں اپنے مالکوں اور گھر والوں کی طرف اٹھ ہی نہیں سکتیں حالانکہ یہ اعتقاد و نظریہ بالکل غلط ہے بلکہ علماء نفسیات کے ہاں یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ چھوٹے بچوں کا بعض مناظر کی طرف دیکھنا ان کی نفسیاتی زندگی میں ایک خاص اثر رکھتا ہے اور بعض اوقات ان کو اعصابی امراض میں بھی مبتلا کر دیتا ہے۔

اسلام نے ان تمام دوررس نتائج کا احاطہ کیا اس لحاظ سے اسلام کس قدر کامل شریعت کا حامل ہے۔ لیکن کہاں ہیں وہ لوگ جو پیش رفت کا نظریہ رکھتے ہیں اور موجودہ موسوم ترقی کی پیروی کرتے ہیں حالانکہ یہ وہ خیالات ہیں جو ماڈرن مغربی ممالک سے ان پر حاوی ہو گئے ہیں۔ وہ ان بلند شرعی احکام کو کہاں قبول کریں گے؟ حالانکہ ان شرعی احکام کی مثل کوئی دوسرے قوانین پیش کرنا انسانی عقل کے بس کی بات نہیں کیونکہ یہ احکام اللہ کی طرف سے صادر ہوئے ہیں اور اس نے ہمیں خبر دی ہے کہ اس نے ہمارے دین کو مکمل کر دیا ہے اور اسی کو (ہمارے لیے) پسند فرمایا

ہے جیسا کہ ارشاد ہے:

﴿ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ﴾ (المائدة : ٣)

''آج میں نے تمہارے دین کو تمہارے لیے مکمل کر دیا ہے اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی ہے اور تمہارے لیے اسلام کو دین کی حیثیت سے پسند کیا ہے''۔

یہ وہ ادب ہے جو نفس انسانی کو عمدہ بناتا ہے اور اس کے فوائد شرعی استیذان کی حکمت کے گرد گھومتے ہیں اگرچہ یہ ایک ادنیٰ سی کوشش کا نتیجہ ہے...... اگر استیذان کی حکمت سمجھ میں نہ بھی آئے تو اتنا ہی کافی ہے کہ یہ اللہ اور اس کے رسول کا حکم ہے جو کہ ہمیں حکمت تلاش کرنے سے مستغنی کر دیتا ہے۔ واللہ اعلم

# پہلی فصل

## قرآنِ حکیم میں استیذان

اس میں پانچ بحثیں ہیں:

- عام استیذان
- خاص استیذان
- واپسی کا استیذان
- داخل ہونے کا سلام
- استیذان کی آیات نسخ سے خالی ہیں۔

**پہلی بحث :**

# استیذانِ عام

گھروں سے باہر جو اجازت طلب کی جاتی ہے اس کو عام استیذان کہا جاتا ہے اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے :

﴿ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتًا غَیْرَ بُیُوْتِکُمْ حَتّٰی تَسْتَاْنِسُوْا وَ تُسَلِّمُوْا عَلٰٓی اَھْلِھَا ذٰلِکُمْ خَیْرٌ لَّکُمْ لَعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِیْھَآ اَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوْھَا حَتّٰی یُؤْذَنَ لَکُمْ وَ اِنْ قِیْلَ لَکُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا ھُوَ اَزْکٰی لَکُمْ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِیْمٌ لَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوْا بُیُوْتًا غَیْرَ مَسْکُوْنَةٍ فِیْھَا مَتَاعٌ لَّکُمْ وَ اللّٰهُ یَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَکْتُمُوْنَ ﴾ (النور : ۲۷۔۲۹)

’’اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل نہ ہوا کرو جب تک کہ گھر والوں کی اجازت نہ لے لو اور گھر والوں پر سلام نہ بھیج لو، یہ طریقہ تمہارے لیے بہتر ہے توقع ہے کہ تم اس کا خیال رکھو گے۔ پھر اگر وہاں کسی کو نہ پاؤ تو داخل نہ ہو جب تک کہ تم کو اجازت نہ دے دی جائے اور اگر تم سے کہا جائے کہ واپس چلے جاؤ تو واپس ہو جاؤ یہ تمہارے لیے زیادہ پاکیزہ طریقہ ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اسے خوب جانتا ہے البتہ تمہارے لیے اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ بے آباد گھروں میں بغیر اجازت کے داخل ہو جاؤ اگر ان میں تمہارے فائدے (یا کام) کی کوئی چیز ہو۔ تم جو کچھ ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ چھپاتے ہو سب کی اللہ کو خبر ہے‘‘۔

یہ آیت استیذان کی آیات میں سے سب سے پہلی آیت ہے اور استیذان عام پر دلالت کرتی ہے اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو ادب سکھایا ہے اور اسلامی آداب کی طرف ان کی رہنمائی فرمائی ہے کیونکہ جاہلیت میں جب کوئی آدمی اپنے بھائی سے ملتا تو اس کو سلام نہ کہتا بلکہ یوں کہتا:

حُيِّيتَ صَبَاحًا وَ حُيِّيتَ مَسَاءً[1]

''آپ پر صبح کا سلام ہو اور آپ پر شام کا سلام ہو''۔

تو اللہ نے اسکے بدلے میں مسلمانوں کو ایسا ''سلام'' عنایت فرمایا جو ایک مکمل دعا اور سب سے نفع بخش بھلائی اور تعریف ہے۔[2]

اس آیت میں اللہ نے اپنے بندوں کو دوسرے لوگوں کے گھروں میں بلا اجازت داخل ہونے سے روکا ہے اور اس کو ایمان کے تقاضوں میں شامل کیا ہے۔

اور نہی حرمت کے لیے ہے لہٰذا انسان پر حرام کر دیا گیا ہے کہ وہ کسی کے گھر میں بلا اجازت داخل ہو کیونکہ اس سے چھپی ہوئی اشیاء کا پردہ کھلتا ہے اور ان چیزوں پر نظر پڑتی ہے جنہیں لوگ اپنے گھروں میں ڈھانپ اور سمیٹ کر رکھتے ہیں اور کسی غیر کی نظر پڑنے سے محفوظ کرتے ہیں اور اس لیے بھی کہ کسی غیر کی ملکیت میں اس کی اجازت کے بغیر تصرف کرنا چھیننے کے مانند ہے اور اس آیت کے سبب نزول کے بارے صحاح میں کوئی بات ذکر نہیں ہوئی اور جیسا کہ علامہ الوسی نے کہا ہے:

''اس آیت کے سبب نزول میں جو کچھ ذکر کیا گیا ہے سب غیر متفق ہے''۔

لیکن سبب نزول کا جاننا' معنی کو سمجھنے اور اس وقت کے تصور کو جاننے کے لیے مدد دیتا ہے اگر چہ احکام کے ساتھ کچھ زیادہ تعلق نہیں رکھتا۔

---

1. تفسير القرآن العظيم ٣/٤٥٠
2. الفواكه الشهيه في الخطب المنبريه للسعدي ص ١٣١

یہ بات مروی ہے کہ ایک انصاری عورت نبی کریم ﷺ کے پاس آ کر کہنے لگی کہ میں اپنے گھر میں اس حال میں ہوتی ہوں کہ کسی شخص کا اپنے آپ کو دیکھنا ناپسند خیال کرتی ہوں (نہ باپ کا اور نہ بیٹے کا) کبھی باپ داخل ہو رہا ہوتا ہے تو کبھی خاندان کا کوئی اور آدمی اور میں اسی ناگفتہ بہ حال میں ہوں۔ تو میں کیا کروں؟ تب یہ آیت نازل ہوئی۔[1]

﴿يَآ أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَأْنِسُوْا وَ تُسَلِّمُوْا عَلٰى اَهْلِهَا﴾ (النور : ٢٧)

''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل نہ ہوا کرو جب تک کہ گھر والوں کی رضا نہ لے لو اور گھر والوں پر سلام نہ بھیج لو''۔

مفسرین نے کہا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! ملکِ شام کے راستے جو سرائے اور غیر آباد مکانات ہیں اور ان میں رہائش نہیں ہے ان کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ تو اللہ نے درج ذیل آیت نازل فرمادی:

﴿لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ مَسْكُوْنَةٍ﴾ (النور : ٢٩)

''البتہ تمہارے لیے اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ ایسے گھروں میں داخل ہو جاؤ جو کسی کے رہنے کی جگہ نہ ہو''۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ﴿غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ﴾ اضافت یہاں ''خصوصیتِ سکونت'' کا فائدہ دے رہی ہے کیونکہ انسان کبھی اپنے ملکیتی گھر میں رہتا ہے اور کبھی غیر ملکیتی گھر میں۔ بنابریں یہاں اضافت ملکیت کے لیے نہیں بلکہ سکونت کے لیے ہے اور

---

[1] اسباب النزول للواحدی ٣/٣٧٥. جامع البیان من تاویل آی القرآن ١٨/١١١ تفسیر القرآن العظیم ٣/٤٤٨ الجامع لأحکام القرآن ١٢/٢١٣۔

اللہ کا فرمان ﴿حَتّٰی تَسْتَأْنِسُوْا﴾ استیناس کی تفسیر میں کئی اقوال ہیں جن میں سے زیادہ مشہور دو ہیں:

اوّل: استیناس "آنس الشیء" (اس نے چیز کو دیکھ لیا) سے ہے یعنی اس نے کسی چیز کو بلا حجاب ظاہری طور پر دیکھ لیا یا جان لیا۔ اور یہ پردہ ہٹانے کی درخواست کرنا اور جاننا صرف اجازت طلب کرنے سے ہی حاصل ہو سکتا ہے۔

دوم: ظاہری طور پر استیناس جو "استیحاش" کی ضد ہے سے لیا جائے۔ جس کا معنی یہ ہے کہ اس ذہن سے کسی دوسرے کے دروازے پہ دستک دینا کہ اسے اجازت ملے گی یا نہیں تو وہ اپنے حال کے مخفی اور پوشیدہ ہونے کی بنا پر مستوحش (پریشاں حال) ہے' جب اسے اجازت دی جائے گی تو اس کی پریشانی ختم ہو جائے گی تو تَسْتَأْنِسُوْا کا معنی ہوگا تَسْتَأْذِنُوْا (اجازت طلب کرو) اور اللہ تعالیٰ کا فرمان: ﴿حَتّٰی تَسْتَأْنِسُوْا﴾ اس کو استیناس سے تعبیر کرنا یقیناً ایک ایسے معنی کا فائدہ دیتا ہے جو استیذان سے بڑھ کر ہے پھر اس کا معنی یوں ہوگا کہ تم اہل خانہ کو اپنے ساتھ مانوس ہونے کا شعور حاصل کر لو۔ اس میں دقیق سا یہ بھی اشارہ ہے کہ اگر آنے والے کو یہ پتہ چل جائے کہ گھر والے اس کے داخل ہونے پر رضا مند نہیں ہیں تو وہ واپس لوٹ جائے اگرچہ اس کو اجازت بھی دے دی جائے۔

اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا: ﴿ذٰلِکُمْ خَیْرٌ لَّکُمْ﴾ یعنی اجازت طلب کرنا یا السلام علیکم کہنا اچانک داخل ہونے سے بہتر ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان:

﴿فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِیْهَا اَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوْهَا حَتّٰی یُؤْذَنَ لَکُمْ﴾

"اگر تم کسی اجازت دینے والے کو نہ پاؤ تو اس وقت تک صبر کرو کہ تم کسی

اجازت دینے والے کو پالو‘‘۔

اس کا یہ بھی معنی ہوسکتا ہے کہ اگر تم گھر والوں میں سے کسی کو نہ پاؤ اور تمہیں کوئی کام ہو تو گھر والوں کی اجازت کے بغیر داخل نہیں ہو سکتے کیونکہ اجازت طلب کرنا گھر اور گھر میں رہنے والوں کی وجہ سے ضروری ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان: ﴿وَاِنْ قِیْلَ لَکُمُ ارْجِعُوْا﴾ یعنی جب تم کو اجازت دینے والوں میں سے کوئی دروازے سے اجازت طلب کرنے سے پہلے یا بعد میں واپس کر دے تو واپس لوٹ جاؤ۔ کیونکہ تمہارا واپس لوٹنا زیادہ بہتر ہے اور دروازے پر کھڑا رہنے اور اصرار کرنے سے کہیں اچھا ہے۔

لہٰذا یہ آیت دو طرح سے لوٹنے کے معنی پر مشتمل ہے:

☆ واضح طور پر اجازت نہ ملنے کی صورت میں (یعنی یوں کہا جائے ’’واپس چلے جاؤ‘‘ یا ’’داخل نہیں ہو سکتے‘‘)

☆ ضمنی طور پر اجازت نہ ملنے کی صورت میں (یعنی گھر میں کوئی موجود ہی نہ ہو) اور اللہ تعالیٰ کا فرمان: ﴿وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِیْمٌ﴾ یعنی یہ بات بھی اللہ کے علم میں شامل ہے کہ کون اجازت کے ساتھ داخل ہو رہا ہے اور کون اجازت کے بغیر داخل ہوتا ہے لہٰذا ہر ایک کو اس کے عمل کے مطابق بدلہ دے گا۔

اور یہ حکم آباد گھروں کے بارے میں ہے خواہ اس میں انسان کا سامان (ضرورت کی چیز) ہو یا نہ ہو اور غیر آباد گھروں کے بارے میں بھی، جن میں انسان کا (فائدہ) سامان نہ ہو۔

لیکن جن گھروں میں کوئی رہائش پذیر نہ ہو اور اس میں کسی انسان کا سامان ہو اور وہ اس میں داخل ہونے کے لیے مجبور ہو تو ایسے گھروں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا ہے:

﴿ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ مَسْكُوْنَةٍ فِيْهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ ﴾

اس کا معنی یہ ہے کہ تم پر غیر آباد گھروں میں داخل ہونے سے کوئی گناہ اور حرج نہیں ہے۔ اور حرج کی نفی یہاں اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ سابقہ گھروں میں بغیر اجازت داخل ہونا حرام بھی ہے اور ان میں داخل ہونے میں حرج بھی ہے[1]

علمائے کرام نے غیر آباد گھروں میں اور اس سامان کے بارے میں اختلاف کیا ہے اور بہت سے اقوال میں سے تین اقوال زیادہ مشہور ہیں' بعض نے کہا ہے:

☆ امام شعبیؒ کہتے ہیں کہ بے شک ان گھروں سے مراد وہ مارکیٹیں اور دکانیں اور بازار ہیں اور متاع سے مراد وہ سامان ہے جو بیچا اور خریدا جاتا ہے۔

☆ بعض علماء نے کہا ہے کہ اس سے مراد وہ سرائیں ہیں جو شہروں اور بستیوں میں ہوتی ہیں۔ اور متاع سے مراد بول و براز کی ضرورت کا پورا کرنا ہے اور یہ عطاء سے مروی ہے۔

☆ اور دوسرے لوگوں نے کہا ہے کہ اس سے مراد وہ ہوٹل اور عام کمرے ہیں جو عام چلتے راستوں پر ہوتے ہیں اور مسافروں کے لیے بنائے ہوتے ہیں تاکہ وہ ان میں آرام کر سکیں۔ اور متاع (فائدہ اٹھانا) سے مراد گرمی اور سردی سے بچنا ہے اور یہ مجاہد سے مروی ہے۔

اور جو شخص یہ ظاہر کرتا ہے کہ گھروں سے مراد ہر وہ گھر ہے جس میں کوئی مخصوص شخص رہائش پذیر نہ ہو جیسا کہ دکانیں' مارکیٹیں اور ہوٹل وغیرہ ہیں' سوائے ان گھروں کے جو آباد ہوں۔ اس لحاظ سے آیت مذکورہ کا مفہوم عام ہو جائے گا اور یہ سب سے بہتر معنی ہے۔[2]

---

[1] ان آیات کی تفسیر دیکھئے، تیسیر الکریم الرحمن فی تفسیر کلام المنان' و انوار التنزیل و اسرار التاویل للبیضاوی۔

[2] دیکھیے فتح القدیر ۴/۲۳' زاد السیر ۶/ ۲۹

اور حضرت جابر بن زید ازدی' بصری رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ متاع سے مراد کوئی ''تیار سامان'' نہیں ہے بلکہ اس کے سوا اور کوئی فائدہ اٹھانے کی باتیں ہیں یعنی کوئی ایسی جگہ ہو جہاں لوگ دن رات آتے جاتے ہوں یا کھنڈرات ہوں جہاں آدمی قضائے حاجت کے لیے داخل ہوتا ہو۔ یا کوئی عام گھر ہوں جس کی طرف آدمی دیکھتا ہو...... یہ سب کچھ متاع سے مراد ہے اور دنیا کا ہر فائدہ متاع میں داخل ہے۔

نحاس رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے: جو کچھ اس آیت کے بارے میں کہا گیا ہے یہ ان سب کو شامل ہے اور یہ ائمہ کرام رحمہم اللہ میں سے ایک امام کی بہت اچھی شرح ہے اور لغت کے بھی موافق ہے کیونکہ لغت عرب میں منفعت کو متاع کہتے ہیں اور اسی سے عربی مقولہ ہے:

أَمْتَعَ اللّٰهُ بِكَ. ''اللہ آپ کو نفع دے''۔

اور اسی سے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَ مَتِّعُوْهُنَّ ﴾ (الاحزاب : ٤٩)

''اور مطلقہ عورتوں کو سامان دو'' [1]

پس یہ گھر پہلے عموم کی بنا پر مستثنیٰ ہو جائیں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ ﴾

اس میں ''بیوت'' (گھر۔ جمع) کا لفظ عام معنی میں استعمال کیا گیا ہے یعنی جس کا کوئی خاص انسان مالک نہ ہو۔

پس اللہ تعالیٰ نے ان گھروں سے ان گھروں کو جدا کر دیا جو کسی کی ملکیت میں نہ ہوں اور ان میں کسی کا سامان ہو اور اس میں کوئی رہائش پذیر نہ ہو پس ایسے گھروں کے داخل ہونے میں کوئی حرج نہیں ہے...... یہ ساری تفصیل استیذانِ عام کے بارے میں ذکر کر دی گئی ہے۔

---

[1] الناسخ و المنسوخ فی کتاب اللہ عزوجل ٢/ ٥٤٩' تحقیق د/سلیمان اللاحم.

**دوسری بحث:**

# استیذانِ خاص

استیذانِ خاص وہ ہے جس کا تعلق گھر کے اندرونی حصے کے ساتھ ہو۔ اس بارے میں اللہ تعالیٰ کا درج ذیل فرمان مذکور ہے:

﴿ يَآ أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لِيَسْتَأْذِنْكُمُ الَّذِيْنَ مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ وَالَّذِيْنَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ مِنْ قَبْلِ صَلَاةِ الْفَجْرِ وَ حِيْنَ تَضَعُوْنَ ثِيَابَكُمْ مِّنَ الظَّهِيْرَةِ وَ مِنْ بَعْدِ صَلَاةِ الْعِشَاءِ ثَلَاثُ عَوْرَاتٍ لَّكُمْ لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَ لَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌ بَعْدَهُنَّ طَوَّافُوْنَ عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْأٰيَاتِ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ وَإِذَا بَلَغَ الْأَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَأْذِنُوْا كَمَا اسْتَأْذَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ آيَاتِهٖ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ ﴾ (النور: ۵۸-۵۹)

"اے لوگو! جو ایمان لائے ہو لازم ہے کہ تمہارے غلام' لونڈیاں اور تمہارے وہ بچے جو ابھی عقل اور سوجھ بوجھ کی حد کو نہیں پہنچے ہیں' تین اوقات میں اجازت لے کر تمہارے پاس آیا کریں' صبح کی نماز سے پہلے اور دوپہر کو جب کہ تم کپڑے اتار کر رکھ دیتے ہو اور عشاء کی نماز کے بعد' یہ تین وقت تمہارے لیے پردے کے وقت ہیں ان کے بعد وہ بلا اجازت آئیں تو نہ تم پر کوئی گناہ ہے نہ ان پر۔ تمہیں ایک دوسرے کے پاس بار بار آنا ہی ہوتا ہے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ تمہارے لیے اپنے ارشادات کی توضیح کرتا ہے اور وہ علیم وحکیم ہے۔ اور جب تمہارے بچے عقل کی حد کو پہنچ

جائیں تو چاہیے کہ اسی طرح اجازت لے کر آیا کریں جس طرح ان کے بڑے اجازت لیتے رہے ہیں۔ اس طرح اللہ اپنی آیات تمہارے سامنے کھولتا ہے اور وہ علیم وحکیم ہے''۔

یہ استیذانِ خاص کی آیات ہیں اور یہ گھر کے اندرونی حصے سے تعلق رکھتی ہیں۔ اور یہ آیات آدمیوں اور عورتوں کے لیے عام حکم رکھتی ہیں۔ امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اگرچہ ان آیات کے ظاہری الفاظ مردوں کے لیے خاص معلوم ہوتے ہیں لیکن مرد وعورت دونوں مراد ہیں کیونکہ تذکیر تانیث پر غالب ہوتی ہے اور اگر کوئی حکم مردوں کے لیے خاص نہ کیا گیا ہو تو بھی (مرد وعورت) اس حکم میں داخل ہوتے ہیں اور میرے نزدیک بہتر یہ ہے کہ حکم مذکور واضح قیاس کی رو سے عورتوں کے لیے بھی ثابت ہے اور یہ اس وجہ سے کہ عورتیں پردہ کی حفاظت کے ضمن میں مردوں سے زیادہ سخت ہوتی ہیں...... پس جب یہ حکم مردوں کے بارے میں ثابت ہو چکا ہے تو عورتوں کے بارے میں بالا ولیٰ ثابت ہے۔ (تفسیر رازی/۲۴-۲۸)

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ﴿ اَلَّذِیْنَ مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ ﴾ اس میں چھوٹے بڑے دونوں شامل ہیں اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ﴿وَالَّذِیْنَ لَمْ یَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ﴾ یعنی آزاد بچے' یہ مراد نہیں ہے کہ جو بلوغت کو نہ پہنچے ہوں اور عورتوں کی پوشیدہ باتوں سے واقف نہ ہوں بلکہ وہ لوگ مراد ہیں جو عورتوں کے معاملات سے واقف تو ہوں لیکن جوان نہ ہوئے ہوں۔

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان: ﴿ كَمَا اسْتَاْذَنَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ﴾ یعنی تمام اوقات میں اور پہلے لوگوں سے مراد وہ لوگ ہیں جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اپنے اس فرمان میں کیا ہے:

﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتًا غَیْرَ بُیُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَ تُسَلِّمُوْا ﴾

اور اللہ تعالیٰ نے ان تین اوقات کو اپنے فرمان ﴿ ثَلٰثُ مَرّٰتٍ ﴾ میں بیان فرما دیا ہے۔

نمازِ فجر سے پہلے یعنی نماز کے لیے اٹھتے وقت اور دوپہر کے وقت یعنی قیلولہ کے وقت اور عشاء کی نماز کے بعد ...... یہ علیحدگی کے اوقات ہیں جس میں انسان مصروف ہوتا ہے...... بخلاف ساری رات کے کہ وہ خلوت کا وقت تو ہے لیکن اس میں مصروفیت نہیں ہوتی کیونکہ ہر کوئی نیند میں مستغرق ہوتا ہے۔

یہ تینوں اوقات خلوت اور مصروفیت کے ہیں لہٰذا عوام الناس کو گھروں کے اندر داخل ہونے سے روک دیا گیا ہے تاکہ وہ کسی ناپسندیدہ منظر کو نہ دیکھ سکیں۔[1]

پس غلام اور چھوٹے بچے بھی غیر لوگوں کی طرح ان تین اوقات میں روک دیے گئے لہٰذا وہ بھی اجازت کے بغیر داخل نہیں ہو سکتے۔ لیکن ان تین حالات کے سوا وہ مسلسل گھروں میں آنے کے لیے مجبور ہوتے ہیں لہٰذا ہر وقت ان کے لیے اجازت مانگنا مشکل ہو جاتا ہے۔ بنا بریں اللہ نے ان کو بلا اجازت داخل ہونے کی اجازت دے دی اور ساتھ وجہ بھی بیان فرما دی کہ وہ خدمت' کاموں اور ضروریات کے لیے ہر وقت آتے جاتے رہتے ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان:

﴿ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴾

کہ اس کو واجبات' مستحبات اور ممکنات کا پورا پورا علم ہے اور حکمت یہ ہے کہ ہر چیز ایک خاص مقصد کے لیے بنائی گئی ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے ہر مخلوق کو اس کے لائق اس کی خلقت (پیدائش) عطا فرمائی ہے اور ہر حکم شرعی کو اس کے لائق اس کی حکمت سے نوازا' انہی احکام میں سے یہ احکام بھی ہیں جن کو اللہ نے بیان فرمایا

---

[1] احکام القرآن لابن عربی ۱۳۹۷/۳

www.KitaboSunnat.com

ہے اور ان کے ماخذ اور خوبیاں بھی بیان فرما دیں۔[1]

ان آیات کے بارے میں بہت سے اسبابِ نزول وارد ہوئے اور الفاظ کے عموم کا اعتبار کیا جاتا ہے نہ کہ کسی خاص سبب کا۔

پس مقاتل رحمہ اللہ کا بیان یوں ہے:

یہ آیات اسماء بنت مرشد کے بارے میں نازل ہوئیں کیونکہ ان کا ایک بڑی عمر کا غلام تھا جو ایک دفعہ ناپسندیدہ وقت میں اس پر داخل ہوا تو وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آ کر پوچھنے لگی کہ ہمارے خادم اور غلام ہم پر بعض دفعہ مکروہ اوقات میں داخل ہوتے ہیں (تو ہم کیا کریں؟) تو اللہ تعالیٰ درج ذیل آیت نازل فرما دی:

﴿ يَآ اَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا لِيَسْتَاْذِنكُمُ ﴾[2]

اور سدی رحمہ اللہ کا بیان ہے:

''رسول اکرم ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم ان اوقات میں بیویوں سے جماع کرنے کو پسند کرتے تھے تاکہ نہا دھو کر نماز کے لیے نکلیں تو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے ان کو حکم دیا کہ اپنے غلاموں اور چھوٹے بچوں کو حکم دیں کہ ان اوقات میں بلا اجازت داخل نہ ہوا کریں''[3]

☆ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے انصار کے ایک لڑکے[4] (غلام) کو دوپہر کے وقت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی طرف بھیجا کہ آپ کو بلا کر

---

[1] تیسیر الکریم الرحمن فی تفسیر کلام المنان ٥/٤٤٢۔

[2] تفسیر القران العظیم ٣/٤٨٦ والدر المنثور ٥/٥٥ و اسباب النزول للواحدی ٣٨٠۔

[3] تفسیر القرآن العظیم ٣/٤٨٦۔

[4] ''امام بیضاوی اور خازن نے اپنی تفسیر میں ذکر کیا ہے کہ غلام مدلج بن عمرو انصاری تھا''۔

لائے پس وہ داخل ہوا تو اس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مکروہ حالت میں دیکھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اس کے اس دیکھنے کو مکروہ خیال کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان آیات کو نازل فرمایا[2]

[2] الجامع لاحکام القرآن ۱۲/۳۰۴ و اسباب النزول للواحدی (۳۸۰) و انوار التنزیل و اسرار التاویل ۲/۱۳۰۔ و لباب التاویل فی معانی التنزیل ۴/۴۱۵)

**تیسری بحث :**



# واپس جاتے وقت اجازت لینا

استیذان کی یہ قسم کتاب وسنت میں وارد ہے اور سلف صالحین رحمہم اللہ نے اس کی تائید کی ہے۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَاِذَا كَانُوْا مَعَهٗ عَلٰٓى اَمْرٍ جَامِعٍ[1] لَّمْ يَذْهَبُوْا حَتّٰى يَسْتَاْذِنُوْهُ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ فَاِذَا اسْتَاْذَنُوْكَ لِبَعْضِ شَاْنِهِمْ فَاْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾ (سورة النور : ٦٢)

''مومن تو اصل میں وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو دل سے مانیں اور جب کسی اجتماعی کام کے موقع پر رسول ﷺ کے ساتھ ہوں تو اس سے اجازت لیے بغیر نہ جائیں۔ اے نبی ﷺ! جو لوگ تم سے اجازت مانگتے ہیں وہی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو ماننے والے ہیں۔ پس جب وہ اپنے کسی کام کے لیے اجازت مانگیں تو جسے تم چاہو اجازت دے دیا کرو اور ایسے لوگوں کے حق میں اللہ سے دعائے مغفرت کیا کرو اللہ یقیناً غفور رحیم ہے''۔

یہ آیت کریمہ ادب کی ایک قسم بیان کر رہی ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اپنے

---

[1] االامر الجامع : ماكان من الضرورة او المصلحة الاجتماع فيه كالجهاد و المشاورة و نحو ذلك (تيسير الكريم الرحمٰن فى تفسير كلام الرحمٰن ٥/ ٤٥١)

مومن بندوں کی رہنمائی فرمائی ہے یعنی کہیں جانے کے لیے یا واپس مڑتے ہوئے اجازت طلب کرنا۔ جیسا کہ داخل ہوتے ہوئے اجازت طلب کی جاتی ہے۔

پس مومن کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے کسی کام اور ضرورت کے لیے رسولِ اکرم ﷺ کی اجازت کے بغیر نہ جائے۔ یا پھر آپ کے نائب سے اجازت لے ...... اس بلند ادب کی اطاعت کرنے والوں کی اللہ تعالیٰ نے تعریف فرمائی ہے ...... اور اپنے پیغمبر ﷺ اور ان کے قائم مقام حضرات کو حکم دیا ہے کہ اگر کوئی عذر اور کام کی غرض سے اجازت مانگے تو اس کو اجازت دے دیں بشرطیکہ ذمہ دار فرد یہ خیال کرے کہ اس اجازت سے کوئی نقصان نہیں ہوگا۔

آیت کریمہ میں یہ استیذان ان سرکاری اجتماعات کے بارے میں ہے جن میں ذمہ دار افراد (اولی الامر) بھی حاضر ہوں۔ اس لحاظ سے یہ استیذان خاص ہے۔

لیکن واپس ہوتے وقت استیذانِ مطلق کے بارے میں جو کچھ حدیث سے ثابت ہے وہی معتبر ہے جیسا کہ آپ کا فرمان ہے:

إِذَا انْتَهٰى اَحَدُكُمْ إِلٰى مَجْلِسٍ فَلْيُسَلِّمْ فَإِنْ بَدَا لَهُ اَنْ يَجْلِسَ فَلْيَجْلِسْ ثُمَّ إِذَا قَامَ فَلْيُسَلِّمْ فَلَيْسَتِ الْاُوْلٰى بِاَحَقَّ مِنَ الْاٰخِرَةِ.[1]

"جب کوئی تم میں سے کسی مجلس کے پاس پہنچے تو ان کو سلام کہے اگر وہ ان کے پاس بیٹھنا چاہے تو بیٹھ جائے لیکن جب دوبارہ اُٹھے تو پھر سلام کہے کیونکہ پہلی دوسری سے زیادہ حق نہیں رکھتی"۔

---

[1] أخرجه الترمذي في كتاب الاستيذان، باب التسليم عند القيام و عند القعود ۳٤۱/۷ و قال الترمذي حديث حسن۔ و أخرجه ابو داؤد في كتاب الادب، باب في السلام اذا قام من المجلس۔ و قال الالباني حسن صحيح . صحيح سنن ابي داؤد للالباني ۹۷۸/۳۔

اس حدیث کا ظاہری مطلب یہ ہے کہ جو شخص جدا ہوتے وقت جماعت کو سلام کہے' جماعت کو اس کا جواب دینا چاہیے۔

اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ادب المفرد میں باقاعدہ باب قائم کیا ہے:

"بَابٌ اِذَا جَلَسَ الرَّجُلُ اِلَى الرَّجُلِ يَسْتَاْذِنُهُ فِى الْقِيَامِ".

"جب آدمی کسی آدمی کے پاس بیٹھے تو اٹھتے وقت اس سے اجازت مانگے"۔

پھر آپ نے ابو بردہ بن ابی موسیٰ کی حدیث بیان فرمائی:

جَلَسْتُ اِلَى عَبْدِاللّٰهِ بْنِ سَلَامٍ فَقَالَ اِنَّكَ جَلَسْتَ اِلَيْنَا وَ قَدْ حَانَ مِنَّا قِيَامٌ فَقُلْتُ فَاِذَا شِئْتَ' فَقَامَ فَتَبِعْتُهُ حَتّٰى بَلَغَ الْبَابَ[1]

"میں عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا تو کہنے لگے کہ آپ ہمارے پاس کچھ دیر سے بیٹھے ہوئے ہیں اور ہمارے اٹھنے کا وقت ہو گیا ہے (کیا اجازت ہے؟) میں نے کہا جیسے آپ چاہیں پس وہ اٹھ کھڑے ہوئے اور میں دروازے تک ان کے پیچھے گیا"۔

---

[1] الادب المفرد بشرحه فضل الله الصمد ٢/٥٨٣

**چوتھی بحث :**

# گھر داخل ہوتے وقت سلام کہنا

گھر میں داخل ہوتے وقت مطلق سلام کرنے کا حکم ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان میں موجود ہے:

﴿ فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُیُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِکُمْ تَحِیَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبٰرَکَةً طَیِّبَةً کَذٰلِکَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَکُمُ الْاٰیٰتِ لَعَلَّکُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴾

(النور : ٦١)



''البتہ جب گھروں میں داخل ہوا کرو تو اپنے لوگوں کو سلام کیا کرو' دعائے خیر' اللہ کی طرف سے مقرر فرمائی ہوئی' بڑی بابرکت اور پاکیزہ' اس طرح اللہ تعالیٰ تمہارے سامنے آیات بیان کرتا ہے توقع ہے کہ تم سمجھ بوجھ سے کام لو گے''۔

اس سلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنے مؤمن بندوں کے لیے مشروع قرار دیا ہے' اس کی تعریف فرمائی ہے اور اس کو مبارک بنا دیا ہے کیونکہ یہ ہر قسم کی کمی سے پاک ہے اور رحمت و برکت کے حصول کا ذریعہ ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کو طیب اور پاکیزہ قرار دیا ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے پاکیزہ اور پسندیدہ کلمات سے ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ''بُیُوْتًا'' نکرہ ہے جو کہ اپنے عموم کی بنا پر ہر انسان کے گھر کو شامل ہے چاہے اس کا اپنا ہو یا کسی غیر کا' چاہے اس میں کوئی رہائش پذیر ہو یا نہ ہو۔[1]

---

[1] و أخرج الحاکم فی مستدرکه عن ابن عباس انها المسجد فیکون المقصود بالآیة عند دخول المساجد (المستدرك کتاب التفسیر تفسیر سورة النور (٢/ ٤٠١) و صححه الحاکم و وافقه الذهبی لکن العموم هوا لراجح. و هو ما رجحه الطبری رحمة الله فی جامع البیان ١٨/ ١٧٥۔

لہٰذا کسی عام اور خاص گھر میں فرق کیے بغیر تمام گھروں میں داخل ہونے کے لیے سلام کہنا مشروع ہے۔ پس سب مسلمان ایک دوسرے کو سلام کہیں کیونکہ وہ ایک دوسرے سے محبت کرنے' رحم کرنے اور مہربانی کرنے میں فردِ واحد کی طرح ہیں[1] اور اس آیت کے معنی بیان کرنے میں آپ کا حضرت انس رضی اللہ عنہ کو یوں فرمانا:

يَا بُنَيَّ إِذَا دَخَلْتَ عَلٰى أَهْلِكَ فَسَلِّمْ يَكُنْ بَرَكَةً عَلَيْكَ وَ عَلٰى أَهْلِ بَيْتِكَ.[2]

''بیٹا! جب تو اپنے گھر داخل ہو تو گھر والوں کو سلام ضرور کہا کر۔ کیونکہ یہ تیرے لیے اور تیرے گھر والوں کے لیے برکت کا ذریعہ بن جائے گا''۔

اور سلام ہر گھر کے لیے مشروع خواہ اس میں کوئی رہائش پذیر ہو یا نہ ہو اور سلام کے الفاظ سبھی کو معلوم ہیں اور اس میں بہت زیادہ احادیث وارد ہیں یعنی جس گھر میں کوئی رہائش پذیر ہو اور جس گھر میں کوئی آباد نہ ہو تو اس کے بارے میں حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے یوں منقول ہے:

إِذَا دَخَلْتَ بَيْتًا لَيْسَ فِيهِ أَحَدٌ فَقُلْ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَ عَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ.[3]

''جب تو ایسے گھر میں داخل ہو جس میں کوئی بھی نہ ہو تو کہہ سلام ہو ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر''۔

اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے کہ جو شخص ایسے گھر اور مسجد میں داخل ہو

---

[1] ملاحظہ ہو تیسیر الکلام الرحمان فی تفسیر کلام المنان ٥/٤٤٨۔

[2] أخرجه الترمذی فی الأدب. باب ماجاء فی التسليم إذا ادخل بيته ٧/٣٣٧ و قال حديث حسن صحيح غريب۔

[3] اخرجه ابن ابی شيبة فی مصنفه' کتاب الادب فی الرجل يدخل البيت ليس فيه احد ٥/٢٦٥ و البخاری فی الادب المفرد باب اذا دخل بيتا غير مسكون ٢/٤٩٨۔

جس میں کوئی بھی موجود نہ ہو تو وہ اس طرح سلام کہے:

اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَ عَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصَّالِحِیْنَ [1]

اور امام مالک سے بھی اسی طرح مروی ہے۔[2]

یہ سب کچھ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ آیت عام ہے خواہ گھر میں کوئی رہائش پذیر ہو یا نہ...... اور کچھ علمائے کرام رحمہم اللہ اس طرف گئے ہیں کہ آیت کے معانی یہ ہیں:

"جب تم مسلمانوں کے گھروں میں سے کسی گھر میں داخل ہو اور اس میں تم جیسے افراد رہائش پذیر ہوں تو تم ایک دوسرے کو سلام کہو یعنی تم اپنے جیسے مومنوں کو سلام کہو کیونکہ تمام مومن ایک جان کی مانند ہیں...... اس معنی کے مطابق داخل ہونے والا صرف اس وقت سلام کرے گا جب گھر میں کوئی موجود ہو"۔[3]

میں کہتا ہوں کہ اس بارے میں حکم وسیع ہے اگر اس پر عمل کیا جائے تو کوئی حرج نہیں اور اگر پہلے حکم پر عمل کیا جائے تو وہ زیادہ بہتر ہے کیونکہ وہ بعض سلف سے وارد ہے۔ (واللہ اعلم)

---

1 اخرجه ابن ابی شيبة فی مصنفه' كتاب الادب' فی الرجل يدخل البيت ليس فيه احد ٥/٢٥٦ والبخاری فی الادب المفرد' باب اذا دخل بيتا غير مسكون ٢/٤٩٨۔

2 موطا مالك' كتاب السلام' باب جامع السلام ٢/٩٦٢۔

3 و رجح هذا الطبری فی جامع البيان ١٠/١٧٤' و رجحه ايضا شيخنا ابن عثيمين۔

**پانچویں بحث :**

# آیاتِ استیذان میں نسخ نہیں ہے

اس فصل میں اس بات سے آگاہ کیا گیا ہے کہ اہل علم کے صحیح ترین قول کے مطابق استیذان کی تمام آیات محکم اور نسخ سے خالی ہیں۔ اگرچہ بعض علماء کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان:

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ ءَامَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتَّىٰ تَسْتَأْنِسُوا وَتُسَلِّمُوا عَلَىٰٓ أَهْلِهَا ﴾ (النور : ٢٧)

''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل نہ ہوا کرو جب تک گھر والوں کی رضا نہ لے لو اور گھر والوں پر سلام نہ بھیج لو''۔

تمام گھروں کے بارے میں عام حکم تھا پھر اللہ تعالیٰ نے اس کو منسوخ کر کے اس سے اپنا یہ قول مستثنیٰ کر دیا:

﴿ لَّيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَن تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ مَسْكُونَةٍ فِيهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ ﴾ (النور : ٢٩)

''تمہارے لیے اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ ایسے گھروں میں داخل ہو جاؤ جو کسی کے رہنے کی جگہ نہ ہو اور جن میں تمہارے فائدے (یا کام) کی کوئی چیز ہو''۔

یہ قول حضرت حسن رحمہ اللہ اور عکرمہ رحمہ اللہ سے مروی ہے۔ لیکن اہل علم کے اقوال میں سے جو صحیح ہے وہ جمہور کا قول ہے کہ یہ دونوں آیتیں محکم اور ہیں اور پہلی آیت ان گھروں کے بارے میں ہے جن کے کئی مالک ہوں اور کئی ایک رہائش پذیر

ہوں...... اور دوسری آیت ان گھروں کے بارے میں ہے جس کے کئی معروف مالک نہ ہوں اور نہ ہی ان میں کوئی رہائش پذیر ہو اور یہی قول راجح ہے۔ واللہ اعلم۔ اس میں دلائل کے درمیان جمع کرنے کی صورت موجود ہے اور صورتِ جمع نسخ پر مقدم ہوتی ہے۔

جیسا کہ ابو جعفر النحاس رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ اکثر مفسرین کا یہی قول ہے کہ مذکورہ دونوں آیتیں محکم ہیں[1]

اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ اس آیت پر اکثر لوگوں کا (عملی طور پر) ایمان نہیں ہے (آیتِ اذن پر) اور میں اپنی لونڈی کو بھی حکم دیتا ہوں کہ وہ مجھ پر داخل ہوتے ہوئے اجازت طلب کرے[2]

اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے:

''کہ علماء میں سے کسی نے اس بات پر اصرار نہیں کیا کہ حکم استیذان منسوخ ہے''۔ (التفسیر الکبیر ۲۳/۲٤)

اہل علم میں سے ماہر محققین کا یہ نظریہ ہے کہ استیذان کی آیات میں نسخ بالکل نہیں ہے جیسا کہ امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ (الجامع لاحکام القرآن ۱۲/۳۰۳) امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ (زاد المعاد ۲/٤۳۳) ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ نے (زاد المسیر فی علم التفسیر ٦/۲۹)۔ میں کہا ہے اور ہمارے شیخ محمد بن صالح العثیمین کا بھی یہی نظریہ ہے۔

---

[1] الناسخ و المنسوخ فی کتاب اللہ ۲/٥٤٥ تحقیق د/سلیمان الاحم

[2] اخرجه البیهقی فی کتاب النکاح' باب استیذان المملوك و الطفل فی العورات الثلاثة...... (۷/۹۷) و ابوداؤد فی الادب۔ باب الاستئذان فی العورات الثلاثة و قال الألبانی: صحیح الاسناد موقوف' صحیح سنن ابی داؤد ۳/۹۷٥ و لفظ ابی داؤد۔ لم یومر بها اکثر الناس۔

# دوسری فصل

## سنت مطہرہ میں اجازت طلب کرنے کے احکام

اور اس میں سات بحثیں ہیں:

* استیذان کا حکم
* استیذان کے صیغے اور اس کی کیفیت
* استیذان کی گنتی (کتنی دفعہ اجازت طلب کرنی چاہیے؟)
* ذی محرم کے ہاں داخلے کے وقت اجازت طلب کرنا۔
* اجازت طلب کرنے سے پہلے سلام کرنا چاہیے یا بعد میں؟
* اجازت حاصل کرنے سے پہلے کسی کے گھر جھانکنا اور اس کے اثرات و نقصانات
* کیا آدمی کا قاصد آدمی کی اجازت کے مترادف ہے؟

ان تمام مباحث کی تفصیل ملاحظہ فرمائیے:

**پہلی بحث :**

# استیذان کا حکم

علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ استیذ ان کی ایک ہی نوعیت ہوتی ہے چاہے عام ہو چاہے خاص۔ اور یہ ایک معزز اسلامی ادب ہے نیز اس کی ایک خاص اہمیت ہے۔ اور گھروں کی عزتیں محفوظ کرنے کے لیے ایک امتیازی کردار ہے اور اس پر یہ بات دلالت کر رہی ہے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے استیذان کی آیات کا آغاز اہل ایمان کو خطاب کر کے کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ استیذ ان ایمان کے تقاضوں میں شامل ہے۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے:

''تمام علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ استیذ ان (اجازت طلب کرنا) مشروع ہے اور کتاب وسنت کے دلائل اور اجماع امت اس کا منہ بولتا ثبوت ہیں''[1]

رہا اس کی دونوں قسموں کا حکم تو بعض علماء نے اس میں اختلاف ذکر کیا ہے جب کہ بعض نے دعویٰ کیا ہے کہ ''اجازت طلب کرنا'' مستحب ہے[2] لیکن دلائل سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ خاص وعام دونوں نوعیتوں میں واجب ہے۔

ابن مفلح رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ اختلاف بیان کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ پس بیوی اور ماں کے سوا سب پر واجب ہے[3]

---

[1] المنهاج فی شرح مسلم ١٣٠/١٤۔

[2] والمستحب هوا لا ستيذان الخاص عند الجمهور رفعاً للمشقه۔

[3] الاداب الشرعية و المنح المرعية ٣٩٣/١۔

استیذان کے واجب ہونے کے بہت زیادہ دلائل ہیں جن میں سے چند ایک کو ہم بیان کرتے ہیں:

اوّل: استیذانِ عام کے وجوب کے دلائل:

① اللہ تعالیٰ کا فرمان:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا﴾ (النور: ٢٧)

''اے ایمان والو! اپنے گھروں کے علاوہ کسی کے گھر میں ان کی رضا حاصل کیے بغیر داخل نہ ہو''۔

کیونکہ ''لَا'' نہی کے لیے ہے اور نہی اس لیے ہے کہ کسی کی ملکیت میں اس کی اجازت کے بغیر دخل دینا جائز نہیں، ہوسکتا ہے کہ وہ اجازت دے یا نہ دے [1]

آیت کے ظاہری الفاظ غیر کے گھر میں بغیر اجازت داخل ہونے کی حرمت پر دلالت کرتے ہیں۔ کیونکہ صحیح قول کے مطابق مطلق نہی تحریم کا فائدہ دیتی ہے۔ (اضواء البیان: ۷/۱۷۹)

② اللہ تعالیٰ کا فرمان:

﴿لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ مَسْكُوْنَةٍ فِيْهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ﴾ (النور: ٢٩)

''البتہ اس میں تمہارے لیے کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ ایسے گھروں میں داخل ہو جاؤ جو کسی کے رہنے کی جگہ نہ ہوں اور ان میں تمہارے فائدے (یا کام) کی کوئی چیز ہو''۔

یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رخصت ہے ان گھروں میں داخل ہونے کے لیے جو آباد نہ

---

[1] تفسیر القرآن العظیم ۳/۲۸۱۔

ہوں اور ان میں صرف لوگوں کا سامان ہو (گودام وغیرہ) پس جب عدم سکونت کی صورت میں رخصت کا حکم ہے۔تو سکونت پھر آیت کی نص سے علت ہے اجازت لینے کی، تو پھر یہ دلالت کرتی ہے کہ علت یعنی (سکونت) کا وجود استیذان کو واجب کرتا ہے ورنہ تو یہ غصب کے زیادہ مشابہ ہوگا۔[1]

③ اللہ تعالیٰ کا فرمان:

﴿ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ﴾ (النور: ٢٩)

معنی یہ ہے کہ جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ چھپاتے ہو، اللہ اس کو جانتا ہے اور یہ اس شخص کے لیے وعید ہے جو کسی کے گھر داخل ہوتے وقت اللہ تعالیٰ کے آداب کا لحاظ نہ کرتا ہو۔اور وعید صرف واجب کو ترک کرنے پر ہوتی ہے۔[2]

④ آپ ﷺ کا فرمان:

اَلِاسْتِيْذَانُ ثَلَاثٌ فَاِنْ اُذِنَ لَكَ وَاِلَّا فَارْجِعْ.[3]

''اجازت تین دفعہ مانگنا چاہیے اگر تجھے اجازت دی جائے تو بہتر، ورنہ واپس لوٹ جاؤ''۔

دوم: استیذانِ خاص کے واجب ہونے کے دلائل:

① اللہ تعالیٰ کا فرمان:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِيَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِيْنَ مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ وَالَّذِيْنَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ ﴾ (النور: ٥٨)

''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو لازم ہے کہ تمہارے لونڈی غلام اور

---

[1] التفسیر الکبیر للرازی ۲۳/۱۹۸

[2] فتح القدیر للشوکانی ٤/٢٠۔

[3] أخرجه البخاری فی كتاب الاستیذان باب التسلیم والاستیذان ثلاثاً (١١/٢٩ مع الفتح)

تمہارے وہ بچے جو ابھی عقل کی حد کو نہیں پہنچے ہیں تین اوقات میں اجازت لے کر تمہارے پاس آیا کریں"۔

کیونکہ اللہ کے کلام ﴿لِيَسْتَأْذِنكُمُ﴾ میں لام امر کے لیے ہے اور امر کا ظاہری معنی وجوب پر دلالت کرتا ہے اور اس پر اس کو محمول کیا جائے گا۔

② بے شک مخصوص مقامات (شرمگاہ وغیرہ) کا ڈھانپنا بالاتفاق واجب ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان تین اوقات کو بیان کیا ہے کیونکہ یہ پردہ کے اوقات ہیں لہٰذا فرمایا:

ثَلَاثُ عَوْرَاتٍ لَّكُمْ.

"یہ تین وقت تمہارے لیے پردے کے وقت ہیں"۔

پس اس نے اجازت کے وجوب کی علت کو بیان کر دیا ہے کہ یہ اوقات پردے اور علیحدگی کے اوقات ہیں۔[1]

③ اللہ تعالیٰ کا فرمان: ﴿طَوَّافُونَ عَلَيْكُم﴾ "تمہیں ایک دوسرے کے پاس بار بار آنا ہی ہوتا ہے"۔ اس میں تین مخصوص اوقات کے علاوہ اجازت نہ لینے کا عذر مرخص بیان کیا گیا ہے اور یہ اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ اصل وجوب ہی ہے۔[2]

یہ دونوں قسم کے وجوبِ استیذان کے دلائل کا اجمالی ذکر ہے اور یہی راجح قول ہے۔ ان شاء اللہ

اور اس کو امام رازی رحمہ اللہ (تفسیر الرازی ٢٣/٢٤) امام سیوطی رحمہ اللہ (الدر المنثور ٥/٥٥) امام ابن عبدالبر رحمہ اللہ (التمهيد ٣/١٩٦) میں اور ہمارے معزز شیخ محمد بن عثیمین رحمہ اللہ نے بھی راجح کہا ہے۔

لیکن جنہوں نے استیذان کو مستحب کہا ہے ان کے پاس بھی دلائل ہیں لیکن وہ دلائل وجوب کے قائل حضرات کے دلائل کے معارض نہیں بن سکتے لہٰذا میں نے طول کے خوف سے وہ دلائل ذکر نہیں کیے۔ واللہ اعلم

---

[1] احکام القرآن لابن العربی ٣/١٣٩٩۔ [2] فتح القدير للشوكاني ٤/٥١۔

**دوسری بحث :**

# استیذان کے صیغے



سنت مطہرہ میں مفصل اور پوری توضیح کے ساتھ اجازت طلب کرنے کے الفاظ کا ذکر آیا ہے اور یہ ایک مسلمان کی زندگی میں استیذان کی اہمیت پر دلالت کرتا ہے۔

اجازت طلب کرنے کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ اجازت طلب کرنے والا السلام علیکم کہنے کے بعد کہے ''کیا میں داخل ہو سکتا ہوں؟'' اگر اسے اجازت دی جائے تو داخل ہو جائے اور اگر واپس چلے جانے کا حکم ہو تو مڑ جائے۔ اور اگر گھر والے خاموش رہیں تو تین بار اجازت طلب کرے اور پھر واپس چلا آئے۔ اور اس کی دلیل امام ابوداؤد وغیرہ کی روایت جس میں ہے۔

کہ بنی عامر کے ایک آدمی نے نبی کریم ﷺ سے اجازت طلب کی اور آپ گھر میں موجود تھے اور پھر کہنے لگا کیا میں اندر آ سکتا ہوں؟ تو نبی کریم ﷺ نے اپنے خادم (اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے لونڈی روضہ) سے کہا کہ باہر نکل کر اس کو اجازت طلب کرنے کا طریقہ سکھا۔ پس اس نے اسے کہا کہ اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ کہنے کے بعد کہہ کیا میں داخل ہو سکتا ہوں؟ پس اس بات کو آدمی نے سن کر کہا' اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ آاَدْخُلُ؟ تب نبی کریم ﷺ نے اس کو اجازت دی تو وہ داخل ہو گیا[1]

---

[1] أخرجه البخاري في الادب المفرد' باب اذا قال ادخل و لم يسلم ٥١٨/٢ بشرحه فضل الله الصمد) و ابوداؤد في الادب' باب كيف الاستيذان، وصححه الألباني (صحيح سنن ابي داؤد ٩٧٣/٣) و ابن ابي شيبة في مصنفه كتاب الادب في الاستيذان ٢٤٢/٥۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے اجازت مانگی تو انہیں کہا گیا ''سلام کہہ کر داخل ہو'' تو وہ لوٹ گئے اور کہنے لگے کہ میں نہیں جانتا کہ سلام کہہ کر داخل ہوں یا بغیر سلام کے۔[1]

اس اثر میں ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما داخل ہونے سے رک گئے کیونکہ ان کو سلام کا کہا گیا تھا۔ اس احتمال سے کہ تیرے سلام کی ضرورت ہے شخصیت کی ضرورت نہیں ہے۔[2]

اور اس لیے بھی کہ انہوں نے اس پر ایک شرط عائد کر دی جسے وہ نہ جانتا تھا کہ وہ پورا کر سکے یا نہ کر سکے جیسا کہ انہوں نے اس کی علت بیان کی۔ (رضی اللہ عنہ)[3]

یہی وہ الفاظ ہیں جن پر اجازت طلب کرنے کے سلسلے میں مسلمان کو چلنا چاہیے اور یہ وہ طریقہ ہے جو مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے وارد ہے اور آپؐ کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس کی اطاعت کی اور اس پر عمل کر کے دکھایا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب کرتے ہوئے کہا: اَلسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ، اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ اَیَدْخُلُ عُمَرُ؟[4]

لیکن یہ جان لینا چاہیے کہ اس طریقے کا التزام واجب نہیں ہے بلکہ ہر

---

1. اخرجه ابن ابی شیبة فی مصنفه فی کتاب الادب فی الرجل یقال له ادخل بسلام ٥/٢٥٦۔
2. الجامع لاحکام القرآن ١٢/٢١٥۔
3. الاداب الشرعیه والمنح المرعیه ١/٣٩٩۔
4. اخرجه البخاری فی الادب المفرد، باب کیف الاستیذان ٢/٥٢١ بشرحه فضل الله الصمد۔

قوم کے لیے اجازت طلب کرنے کا ایک معروف طریقہ اور مخصوص عادت ہوتی ہے۔

اور ام مسکین بنت عاصم بن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے آزادہ کردہ غلام عبدالمالک سے مروی ہے کہ میری مالک نے مجھے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی طرف بھیجا پس وہ میرے ساتھ دروازے تک پہنچ کر کہنے لگے:

أَنْدَرُ؟ تو انہوں نے کہا: أندرون.

اور علماء نے ذکر کیا ہے کہ فارسی زبان میں اجازت طلب کرنے کا یہ طریقہ ہے۔[1]

استیذان کا جواب دینا عام طور پر لوگوں کے معروف و مشہور طریقے کے مطابق ہوتا ہے بشرطیکہ اس میں کوئی شرعی ممانعت نہ ہو لیکن سنت کی اتباع افضل و بہتر ہے۔ واللہ اعلم[2]

---

[1] الجامع لاحکام القران ۱۲/۲۱۸

[2] انظر تیسیرا لکریم الرحمٰن فی تفسیر کلام المنان ۲/ ۱۱۸۔

**تیسری بحث :**

# کتنی بار اجازت طلب کرنی چاہیے؟

رسول اکرم ﷺ سے صحیح طور پر ثابت ہے کہ استیذان کتنی دفعہ ہے؟ اسی سلسلہ میں امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں باب قائم کرتے ہوئے فرمایا ہے: "باب التسلیم و الاستیذان ثلاثاً" (سلام کہنے اور تین بار اجازت مانگنے کا باب) اور امام رحمہ اللہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی حدیث بیان کی ہے کہ رسول اکرم ﷺ جب سلام کہتے تو تین دفعہ کہتے اور جب کوئی بات کرتے تو اس کو تین بار دہراتے[1]

شاید کہ آپ کا یہ معمول (سلام کہنے میں) بہت زیادہ مجمع کے لیے ہو جن کو ایک سلام نہ پہنچ سکتا ہو...... یا آپ کا یہ معمول دوسرا اور تیسرا سلام سنانے کی وجہ سے ہو اس خیال سے کہ شاید پہلا سلام نہ سنا گیا ہو۔

اور اگر آپ ﷺ کا معمول ہمیشہ تین دفعہ سلام کرنے کا تھا تو آپ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم بھی آپ ﷺ پر اسی طرح (تین بار) سلام کہتے ہوں گے اور ایک دوسرے کو ملتے وقت بھی تین دفعہ سلام کہتے ہوں گے اور جب اپنے گھر داخل ہوتے ہوں گے تو تین دفعہ سلام کہتے ہوں گے۔

اور جو آپ ﷺ کے معمول میں غور کرے گا' وہ جان لے گا کہ اصل معاملہ ایسا نہیں تھا اور آپ ﷺ کا بار بار سلام کہنا کبھی کبھار کسی وجہ سے ہوتا تھا۔

(زاد المعاد ۲/۴۱۸)

---

[1] اخرجه البخاري في الاستيذان باب التسليم و الاستيذان ثلاثا ۱۱/۲۸ مع الفتح۔

یہ مذکورہ بیانات سلام کے ساتھ خاص ہیں لیکن اجازت طلب کرنا تو ہے ہی تین بار اگرچہ اس کو کوئی جواب نہ بھی دے۔ اور سنتِ صحیحہ اس کا واضح ثبوت پیش کرتی ہے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں انصار کی کسی مجلس میں بیٹھا ہوا تھا۔ اچانک ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ گھبرائے ہوئے آئے اور کہنے لگے کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے تین دفعہ اجازت طلب کی اور مجھے اجازت نہ دی گئی لہٰذا میں واپس لوٹ آیا تو وہ کہنے لگے کہ تجھے داخل ہونے سے کون سی بات مانع ہوئی؟ تو میں نے عرض کیا کہ میں نے تین بار اجازت طلب کی اور مجھے اجازت نہ دی گئی تو میں واپس چلا گیا کیونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

إِذَا اسْتَأْذَنَ اَحَدُكُمْ ثَلَاثًا فَلَمْ يُؤْذَنْ لَهٗ فَلْيَرْجِعْ.

''جب تم میں سے کوئی تین دفعہ اجازت طلب کرے اور اسے اجازت نہ دی جائے تو اسے واپس چلے جانا چاہیے''۔

تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ قسم بخدا تجھے اس پر ضرور دلیل پیش کرنا پڑے گی...... کیا تم میں سے کسی نے (اس بارے میں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ سنا ہے؟ تو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کہنے لگے۔ اللہ کی قسم! تیرے ساتھ سب سے چھوٹا شخص دلیل پیش کرنے جائے گا۔[1]

میں سب سے چھوٹا تھا' میں ان کے ساتھ کھڑا ہوا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خبر دی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے کہا ہے۔[2]

---

[1] لا يقوم معه الا اصغر القوم : و ذلك لانه امر معروف مشتهر يعرفه الصغير و الكبير شرح مسلم للنووی ۱۴/۱۳۱۔

[2] اخرجه البخاری فی الاستيذان' باب التسليم و الاستيذان ثلاثا ۱۱/۲۸ مع الفتح۔ و مسلم فی الادب' باب الاستيذان ۱۴/۱۳۰ بشرح النووی۔

یہ سنت طریقہ ہے اجازت طلب کرنے کا یعنی اجازت طلب کرنا تین دفعہ ہے اس سے زیادہ نہیں کیونکہ یہ رسول اکرم ﷺ کا معمول ہے اور ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ساتھ کر کے دیکھایا اور ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بھی حاضر تھے۔

لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا اجازت طلب کرنے والا تین سے زیادہ کہہ سکتا ہے؟ جمہور نے اس کو بالکل ممنوع قرار دیا ہے لیکن امام مالک اس کے خلاف ہیں وہ کہتے ہیں کہ اجازت طلب کرنا تین مرتبہ ہے میں پسند نہیں کرتا کہ کوئی اس سے زیادہ کرے مگر جس کو یہ معلوم ہو جائے کہ اس کا تین دفعہ اجازت طلب کرنا سنا نہیں گیا پس اس شخص کے لیے زیادہ کہنے میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ اس کو یقین ہو کہ سنا نہیں گیا۔[1]

پس امام مالک نے نہ سننے کے یقین کی بنا پر زیادہ کو جائز کہا ہے لیکن جمہور نے اس کو ممنوع قرار دیا ہے...... صحیح موقف یہ ہے جو امام مالک نے اختیار کیا ہے ابن عبدالبر نے کہا ہے کہ مسنون استیذان تین دفعہ ہے اس سے زیادہ کی گنجائش نہیں لیکن امام مالک کا موقف اباحت (جائز ہونا) اور مستاذن کی رعایت کے لیے ہے لہٰذا جو تین سے زائد دفعہ کہے اس کا کوئی حرج نہیں۔ واللہ اعلم[2]

میں کہتا ہوں کہ ہمارے شیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ نے امام مالک کی رائے کو ترجیح دی ہے...... پس ظاہر ہو گیا کہ تین سے زیادہ پر نہ کوئی امر مانع ہے اور نہ ہی اس میں کوئی حرج ہے (ان شاء اللہ) مذکورہ شرط کے ہوتے ہوئے اگرچہ بہتر وہ ہے جس کا جمہور نے التزام کیا ہے۔ کہ اگر تین دفعہ کے بعد اجازت نہ ملے تو واپس

---

1. ملاحظه هو الجامع لاحكام القرآن ١٢/٢١٤۔

2. راجع التمهيد ٣/١٩٧۔

چلا آئے اور اس سے زیادہ نہ کہے اور یہی نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے اور اس میں کوئی طعن نہیں اور آپ سے اس بارے واضح دلیل ہے اور سنتِ مطہرہ کے دلائل سے ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان:

﴿ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَ تُسَلِّمُوْا عَلٰۤى اَهْلِهَا ﴾ (النور : ۲۷)

میں استیناس سے مراد تین دفعہ اجازت طلب کرنا ہے کیونکہ کلام اللہ کی بہتر تفسیر بیان کرنے والی چیز رسول کریم ﷺ کی سنت ہی ہو سکتی ہے اور یہ بات اس شخص کے خلاف ہے جس نے کہا ہے کہ استیناس کا معنی ہے ایک طرف کھڑا ہو جانا کیونکہ استیناس سلام کے ساتھ نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے۔

ایک لمبی حدیث حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جس میں حضرت قیس بن سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ ہمارے گھر ہمیں ملنے کے لیے آئے تو فرمایا: ''السلام علیکم و رحمۃ اللہ'' راوی کا بیان ہے کہ سعد رضی اللہ عنہ نے بالکل آہستہ جواب دیا۔ میں نے کہا کیا تو رسول اللہ ﷺ کو اجازت نہیں دے سکتا؟ جواب دیا' چھوڑ! آپؐ کو ہم پر زیادہ سلام کرنے دے۔ پھر آپؐ نے فرمایا: ''السلام علیکم و رحمۃ اللہ'' حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے پھر بالکل آہستہ جواب دیا' پھر آپ نے فرمایا: ''السلام علیکم و رحمۃ اللہ'' پھر رسول اللہ ﷺ واپس ہو چلے تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ آپؐ کے پیچھے گئے اور عرض کی یارسول اللہ ﷺ! میں آپ کا سلام سنتا رہا ہوں اور آہستہ آہستہ جواب بھی دیتا رہا ہوں تاکہ آپ ﷺ ہم کو بکثرت سلامتی کی دعا دیتے رہیں۔ پس آپ ﷺ اس کے ساتھ واپس مڑ گئے [1]

---

[1] اخرجه ابوداؤد فی الاستیذان' باب کم مرة یسلم الرجل (۱٤/۸۸) بشرحه عون المعبود' و البخاری فی الادب المفرد باب اذا سلم الرجل علی الرجل فی بیته (۲/۵۰۸' بشرحه بفضل الله الصمد) و الامام احمد فی المسند فی مسند قیس ۳/٤۲۱۔

پس اس حدیث سے اجازت لینے والے کے لیے تین دفعہ سلام کہنے کے بعد (بغیر زیادہ کیے) واپس ہو جانا نبی کریم ﷺ کے قول وفعل سے ثابت ہے۔ پھر یہ بھی کہ جب اجازت لینے والے کو معلوم ہو جائے کہ گھر والوں نے اس کی آواز کو سن لیا تو اس کے لیے تین دفعہ کے بعد مڑنا لازم ہے بشرطیکہ اس کو اجازت نہ دیں کیونکہ یہ بات اجازت نہ دینے کے ہی مترادف ہے۔

اور تین بار سے زیادہ سلام نہ کرنا یا اجازت نہ لینا سنت سے ثابت ہے' اس شخص کے برعکس جس نے کہا ہے کہ زیادہ بار سلام وغیرہ لے۔[1]

اور اجازت طلب کرنے والے کو چاہیے کہ جلد جلد تین دفعہ اجازت نہ لے بلکہ ہر ایک اجازت کے درمیان کچھ وقفہ کرے' لیکن زور سے دروازہ کھٹکھٹانا اور گھر والے کو اونچی آواز سے پکارنا' یہ حرام ہے۔ کیونکہ یہ تکلیف اور وحشت کا سبب ہے۔[2]

اور یقیناً اللہ تعالیٰ نے اعرابیوں (بدوں) کو ڈانٹا جنھوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایسا معاملہ کیا تھا جیسا کہ سورۂ حجرات میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرَاتِ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ وَ لَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾ (سورة الحجرات : ٤-٥)

"اے نبی! جو لوگ تمہیں حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں ان میں سے اکثر بے عقل ہیں اگر وہ تمہارے باہر نکلنے تک صبر کرتے تو ان کے لیے بہتر تھا۔ اور اللہ درگزر کرنے والا رحیم ہے"۔

بدو لوگ نبی کریم ﷺ کے پاس آئے جب کہ آپ گھر میں تشریف فرما تھے۔

---

[1] ملاحظہ فرمائیں: اضواء البیان ٦/١٦٩۔

[2] التفسیر الکبیر ٢٣/١٩٨۔

آپ ﷺ کے دروازے پر انتظار کرنے کی بجائے آپ کو آوازیں دینے لگے (یا محمد ﷺ یا محمد ﷺ) اور صبر نہ کر سکے پس اللہ تعالیٰ نے ان کے قبیح فعل پر ان کو ڈانٹا اور ان کی صفت یہ بیان کی کہ وہ بے عقل ہیں۔

استیذان کو تین بار کے ساتھ مقید کرنے کی حکمت یہ ہے کہ پہلی بار سنانے کے لیے ہے۔ دوسری اس لیے کہ گھر والے احتیاط کر لیں اور تیسری اس لیے کہ اگر چاہیں تو اجازت دے دیں ورنہ واپس موڑ دیں۔

بعض علماء نے کہا ہے کہ پہلی اطلاع دینے کے لیے ہے دوسری تاکید کے لیے اور تیسری معذرت کے لیے...... دونوں کا معنی قریباً ایک ہی ہے۔

کلام کا اکثر اصول یہ ہے کہ جب اس کو تین دفعہ دہرایا جائے تو وہ سنی بھی جاتی ہے اور سمجھی بھی جاتی ہے۔

اسی لیے نبی کریم ﷺ جب سلام کہتے تو تین بار کہتے اور جب کوئی بات کرتے تو اس کو تین بار دہراتے جیسا کہ گذر چکا ہے۔

اور اگر تین دفعہ کے بعد بھی اجازت نہ ملے تو ظاہر ہے کہ گھر والا اجازت دینا ہی نہیں چاہتا یا کسی عذر کی بنا پر وہ جواب دے نہیں سکتا۔

پس مناسب یہی ہے کہ تین مرتبہ کے بعد لوٹ جائے کیونکہ اس سے زیادہ گھر والے کو آزردہ کرے گی اور بعض دفعہ اصرار کرنا گھر والے کے لیے نقصان دہ ہوتا ہے اور اسے اپنا ضروری کام منقطع کرنا پڑتا ہے اور یہ بات نبی کریم ﷺ کے فرمان سے بھی ظاہر ہے جو آپ نے حضرت عتبان رضی اللہ عنہ کو اجازت لیتے ہوئے کہا تھا پس آپ اس حالت میں نکلے کہ آپ کے سر سے پانی کے قطرے بہہ رہے تھے شاید کہ ہم تیرے پاس جلدی آ گئے ہیں وہ عرض کرنے لگا: ہاں![1]

---

[1] اخرجه البخاری فی الوضوء باب من لم یرالوضوء الامن المخرج حین ١/ ٣٤٠ فتح الباری۔

اور حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے (جو گزر چکی ہے) کہ جب نبی کریم ﷺ نے تین بار اجازت طلب کی اور ان کا جواب نہ سنا تو آپ ﷺ تیسری دفعہ کے بعد واپس چل دیئے اور اصرار نہ کیا کہ شاید وہ مشغول ہوں۔

یہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا ادب ہے پس مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ آپ کے اس ادب کا خاص اہتمام کرے کیونکہ جس کے لیے آپ کا طریقہ واضح ہو جائے اس کے لیے اس کا انکار جائز نہیں ہے۔ واللہ اعلم

**چوتھی بحث :**

# ذی محرم سے اجازت طلب کرنا

شارع علیہ السلام نے ذی محرم کے معاملہ میں انتہائی اہتمام فرمایا ہے اور یہ شریعتِ اسلامیہ کی خصوصیات اور ذی محرم کی حفاظت کی خیر خواہی کا حتی الامکان منہ بولتا کمال ہے۔

اور یہ بحث تمام بحثوں سے زیادہ اہم خیال کی جاتی ہے اور اس وجہ سے بھی کہ یہ اکثر لوگوں سے مخفی ہے جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں کہ اکثر افراد ذی محرم سے اجازت لینے میں غفلت برتتے ہیں اور یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ ان کے درمیان اور ان ذی محارم کے درمیان پردہ ہے ہی نہیں ...... اور ذی محارم سے اجازت لینے کا حکم حالات اور شخصیات کے مختلف ہونے کی وجہ سے مختلف ہے جیسا کہ بیوی کا حکم ماں اور بہن سے بالکل مختلف ہے۔

اور اجازت طلب کرنا عام طور پر مشروع ہے اور اس میں ترغیب بھی دلائی گئی ہے جیسا کہ آپ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

اِنَّمَا جُعِلَ الْاِسْتِیْذَانُ مِنْ اَجْلِ الْبَصَرِ[1]

''اجازت لینا نگاہ پڑنے کی وجہ سے ہی ضروری قرار دی گئی ہے''۔

اس حدیث سے ہر ایک پر داخل ہونے کے لیے اجازت طلب کرنے کی مشروعیت اخذ کی جا سکتی ہے یہاں تک کہ ذی محرم کے لیے بھی کیونکہ بے پردگی

---

[1] اخرجه البخاری فی الاستیذان، باب الاستیذان من اجل البصر ۱۱/۲٦ فتح الباری و مسلم فی الادب، باب تحریم النظر فی بیوت الغیر ۱۴/۱۳٦ بشرح النووی۔

نہ ہو۔ (فتح الباری ۱۱/ ۲۷)

اور ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب ان کے بعض بچے جوان ہو جاتے تو ان میں علیحدگی کر دیتے اور ان پر بلا اجازت داخل نہ ہوتے۔[1]

اور ایک آدمی نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ میں اپنی ماں سے بھی اجازت طلب کروں؟ تو انہوں نے جواباً فرمایا' اگر تو اجازت نہیں لے گا تو ہو سکتا ہے تو اسے اس حالت میں دیکھے جس میں دیکھنا تو ناپسند کرتا ہو۔[2]

ماں سے اجازت طلب کرنا بھی مشروع قرار دیا گیا ہے اگرچہ ماں بیٹا ایک ہی گھر میں رہتے ہوں اگرچہ بیٹا ماں کی خدمت ہی کرتا ہو اور بار بار اس کے پاس آتا ہو۔ کیونکہ وجہ بیان کی جا چکی ہے۔ (بے پردگی کا ڈر)

اور جب ایک آدمی نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا: کہ میں اپنی ماں سے اجازت طلب کروں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں! اس نے کہا میں اس کی خدمت کرتا ہوں' آپ ﷺ نے فرمایا: اِسْتَأْذِنْ عَلَيْهَا' اس سے اجازت لے کر داخل ہوا کر' اس نے اس بات کو تین مرتبہ دہرایا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

أَتُحِبُّ أَنْ تَرَاهَا عُرْيَانَةً.

''کیا تو اسے ننگی دیکھنا چاہتا ہے؟''۔

اس نے جواب دیا نہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا:

---

[1] رواہ البخاری فی الادب المفرد باب قولہ تعالیٰ ﴿وَإِذَا بَلَغَ الْأَطْفَالُ مِنكُمُ الْحُلُمَ﴾ ۲/ ۵۰۰ بشرحہ فضل اللہ الصمد۔

[2] اخرجہ البخاری فی الادب المفرد' باب یستاذن علی امہ (۲/ ۵۰۰) بشرحہ فضل اللہ الصمد و البیہقی فی السنن الکبریٰ' کتاب النکاح باب استیذان المملوک و الطفل فی العورات الثلاث ۷/ ۹۷۔

فَاسْتَأْذِنْ عَلَيْهَا[1]

''اس سے اجازت لیا کر''۔

اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

عَلَيْكُمُ الْإِذْنَ عَلٰى أُمَّهَاتِكُمْ وَ أَخَوَاتِكُمْ[2]

''اپنی ماؤں اور بہنوں سے بھی اجازت لے کر داخل ہوا کرو''۔

حضرت موسیٰ بن طلحہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں اپنے باپ کے ساتھ اپنی ماں کے ہاں گیا پس میرے والد تو داخل ہو گئے اور میں ان کے پیچھے تھا۔ پس میری طرف متوجہ ہوئے اور میرے سینے پر مار کر کہنے لگے کیا تو بلا اجازت داخل ہونا چاہتا ہے؟[3]

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے کو بلا اجازت داخل ہونے پر سرزنش کی۔

حضرت عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ کیا میں اپنی بہن سے اجازت لیا کروں؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہاں! میں نے کہا: وہ میری کفالت میں ہے فرمایا: ''کیا تو اسے ننگی دیکھنا چاہتا ہے''۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بیان فرمایا ہے کہ ان گزشتہ آثار کے تمام طرق صحیح ہیں۔ (فتح الباری ۱۱/ ۲۷)

---

[1] اخرجه مالك فى الموطا مرسلا فى كتاب الاستيذان، باب الاستيذان ۲/ ۹۶۳ و قال ابن عبدالبر: مرسل صحيح و اخرجه البيهقى فى السنن الكبرىٰ باب استيذان المملوك و الطفل فى العورات الثلاث ۷/ ۹۷ و اورده الطبرانى فى تفسيره ۱۰/ ۱۱۲ و القرطبى ۱۲/ ۲۱۹۔

[2] اخرجه البيهقى فى المصدر السابق و هو فى تفسير ابن مسعود (٤٦٧) و تفسير الطبرى ۱۸/ ۱۱۲۔

[3] اخرجه البخارى فى الادب المفرد، باب يستاذن علىٰ ابيه ۲/ ۵۰۱ بشرحه فضل الله الصمد۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں:

يَسْتَاذِنُ الرَّجُلُ عَلٰى وَلَدِهٖ وَ اُمِّهٖ وَ اِنْ كَانَتْ عَجُوْزًا وَ اَخِيْهِ وَ اُخْتِهٖ وَ اَبِيْهِ.[1]

"کہ آدمی کو اپنے بیٹے اور ماں سے بھی اجازت لینی چاہیے اگرچہ بوڑھی ہی کیوں نہ ہو اور اپنے بھائی' بہن اور باپ سے بھی اجازت طلب کرنی چاہیے"۔

ان آثار سے اس امر کا فائدہ ہوتا ہے کہ اجازت طلب کرنا (اسلام کی نظر میں) اصل مقصود ہے حتی کہ ذی محارم پر بھی۔

لہٰذا آدمی کو چاہیے کہ وہ اپنی ماں' بہن اور جوان بیٹے بیٹیوں سے اجازت طلب کرے کیونکہ اگر وہ ان میں سے کسی پر بلا اجازت داخل ہو جائے تو (ننگا ہونے کی صورت میں) اس کی نظر ان کی شرمگاہوں پر پڑے گی جو جائز نہیں ہے۔[2]

لیکن اجازت طلب کرنے کے ان تمام امور میں سے صرف بیوی سے اجازت نہ لینا مستثنیٰ کیا گیا ہے بشرطیکہ گھر میں صرف خاوند بیوی ہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ﴾ (النور : ٢٧)

"اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل نہ ہوا کرو"۔

پس آیت کے ظاہری الفاظ سے یہ ثبوت ملتا ہے کہ اس حالت میں اجازت طلب نہ کرنا جائز ہے اور اس وجہ سے بھی کہ میاں بیوی کے درمیان کوئی

---

[1] اخرجه البخاری فی الادب المفرد باب يستاذن علی ابيه و ولده ٢/٥٠١ بشرحه فضل الله الصمد۔

[2] اضواء البيان ٦/١٧٨

خاص احترام مدنظر نہیں ہوتا اور ان دونوں کے لیے وہ تمام حالات اور ملبوسات جائز ہیں جو دوسروں کے لیے جائز نہیں ہیں اور اس بات کا ثبوت گزشتہ موسیٰ بن طلحہ کے اثر میں موجود ہے کیونکہ جب وہ اپنے باپ کے ساتھ اپنی ماں کے ہاں داخل ہوئے تو اس کے باپ نے اس کو اجازت نہ لینے کی وجہ سے ڈانٹا۔ اور خود طلحہ رضی اللہ عنہ چونکہ خاوند تھے انہوں نے اجازت طلب نہیں کی۔[1]

اور ابن جریج کے اثر میں ہے کہ میں نے عطاء سے پوچھا کہ کیا آدمی اپنی بیوی سے اجازت طلب کرے؟ فرمایا نہیں اور اس سے واجب نہ ہونے کا احتمال ہوتا ہے ورنہ بہتر یہی ہے کہ اس کو اپنے داخل ہونے کی کسی طرح اطلاع ضرور کر دے اور اچانک اس پر داخل نہ ہو' ہوسکتا ہے کہ وہ ایسی حالت میں ہو جسے وہ پسند نہ کرتا ہو۔ (تفسیر القرآن العظیم ۳/۴۴۹)

جیسا کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی بیوی حضرت زینب سے مروی ہے کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ جب کسی ضرورت کے پیش نظر آتے تو دروازے پر پہنچ کر ایک طرف ہو جاتے اور کھانستے اس خدشہ کے پیش نظر کہ ہم میں سے اگر کوئی ناشائستہ حالت (جسے آپ ناپسند سمجھتے ہوں) پر ہو تو متنبہ ہو جائے۔[2]

میں کہتا ہوں کہ ان آثار سے بیوی سے اجازت طلب کرنے اور اس کو اپنے آنے کی اطلاع کرنے کا فرق بخوبی سمجھا جا سکتا ہے۔ لہٰذا بیوی کو آنے کی اطلاع کی جا سکتی ہے تاکہ وہ ایسی حالت پر نہ رہے جس کو دیکھ کر اس کا خاوند ناپسندیدگی کا اظہار کرے ورنہ بیوی کے پاس آنے کے لیے اجازت کی چنداں

---

[1] انظر اضواء البیان ٦/٨٠ و رجح الشنقیطی رحمہ اللہ ترک الاستیذان علی الزوجۃ و قال لا سیما عند من یری جواز نظر الزوج الیٰ فرج امراءتہ کما لک و اصحابہ۔

[2] تفسیر ابن مسعود رضی اللہ عنہ ٤٥٦ و قال ابن کثیر عن اثر زینب ھذا اسنادہ صحیح ۔ تفسیر القرآن العظیم ٣/٤٤٩

ضرورت نہیں [1] کیونکہ اگر اچانک داخل ہوا جائے تو اس کی شرمگاہ پر نظر پڑ جانا بھی جائز ہے بخلاف دوسرے ذی محارم کے کہ ان کی شرمگاہوں پر نظر پڑنا جائز نہیں ہے۔

جان لینا چاہیے کہ اگرچہ ذی محرم سے اجازت لینا ضروری ہے مگر اس میں بہت آسانی ہے اور اس کا معاملہ بہت وسیع ہے کیونکہ اس میں نظر اس کے بالوں' اس کے سینے اور اس کی پنڈلی اور دوسرے اعضاء پر پڑ جائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔

اور تحقیقی بات یہ ہے کہ کسی غیر کے پاس اچانک آنے سے اس لیے منع کیا گیا ہے کہ وہ غیر ہے تو اس میں بعض اوقات اس کے اعضاء ننگے ہونے کا امکان ہے اور اس منع میں سب شامل ہیں سوائے بیوی اور لونڈی کے۔ اور اگر اس وجہ سے ہو کہ گھر والے کسی ایسے کام میں مصروف ہوں جس کی کسی غیر کو اطلاع دینا مناسب نہ ہو تو اس میں سب شریک ہیں حتی کہ بیوی اور لونڈی پر بھی بلا اجازت داخل نہیں ہو سکتا [2]

یہ تمام معلومات ذی محرم سے اجازت لینے کے متعلق ہیں اور ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ اجازت لینا ہر حال میں اجازت نہ لینے سے افضل ہے کیونکہ اجازت لینا بھلائی کا باعث ہے۔ واللہ اعلم

---

[1] قال فضيلة الشيخ محمد بن عثيمين ؛ استيذان الرجل في بيته لا يجب عليه۔

[2] التفسير الكبير ٢٣/١٩٩۔

**پانچویں بحث :**

# اجازت لینے سے پہلے سلام کہنا چاہیے یا بعد میں؟

اس میں کوئی شک نہیں کہ سلام کہنا شعائر اسلامیہ میں شامل ہے اور ان شعائر میں سے ہے جن کی رسولِ اکرم ﷺ نے ہمیں ترغیب دی ہے۔

اور سلام کا استیذان سے بڑا گہرا تعلق ہے اور اس کی بہت بڑی فضیلت ہے سلام کہنا سنت ہے اور اس کا جواب دینا واجب ہے۔ اور یہ ان اعمال میں سے ہے جو مسلمانوں کے درمیان الفت' محبت اور تعلقات کو پیدا کرتے ہیں۔

اور اگر ہم سلام کی فضیلت میں وارد ہونے والے دلائل اور اس کی ترغیبات کو پیش کرنا چاہیں تو بات بہت لمبی ہو جائے گی اور اتنی تفصیل کی گنجائش بھی نہیں ہے لیکن سلام کے ادب کو یاد کرانے کے سلسلے میں جس میں بہت سے لوگ سستی کرتے ہیں اور اس کی عظیم فضیلت کو بھول چکے ہیں' اس سلسلے میں حدیث صحیح میں وارد ہونے والا آپ ﷺ کا فرمان ہی کافی ہے:

لَا تَدۡخُلُوا الۡجَنَّةَ حَتّٰى تُؤۡمِنُوۡا وَ لَا تُؤۡمِنُوۡا حَتّٰى تَحَابُّوۡا اَوَلَا اَدُلُّكُمۡ عَلٰى شَيۡءٍ اِذَا فَعَلۡتُمُوۡهُ تَحَابَبۡتُمۡ اَفۡشُوا السَّلَامَ بَيۡنَكُمۡ[1]

''تم جنت میں داخل نہ ہوسکو گے یہاں تک کہ ایمان لے آؤ اور اس وقت تک ایماندار نہیں ہو سکتے جب تک ایک دوسرے سے محبت نہ کرنے لگو۔ کیا میں تمہیں ایسا عمل نہ بتاؤں؟ جب تم اس کو اختیار کرو گے تو آپس

---

[1] اخرجه مسلم فی کتاب الایمان ۱/ ۳۵ بشرح النووی

میں محبت کرنے لگ جاؤ گے' آپس میں سلام عام کرو''۔

اور حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سات کام کرنے کا حکم فرمایا اور ان میں ایک ''سلام کو عام کرنا'' ہے۔[1]

سب مومنوں کو چاہیے کہ اس عظیم سنت کا سختی سے اہتمام کریں اور اپنی مجالس میں اس کو رواج دیں تا کہ اللہ سبحانہ' وتعالیٰ سے اجر وثواب حاصل کر سکیں اور دنیا میں زیادہ سے زیادہ اس کے فوائد سے محظوظ ہوں۔

پھر یہ بھی ضروری ہے کہ حکم کے لحاظ سے ''سلام'' اور ''استیذان'' میں فرق کیا جائے کیونکہ استیذان واجب ہے (صحیح قول کے مطابق) لیکن سلام کو پہلے کہنا سنت ہے۔اور عمومیت کی بنا پر کسی ایک پر فرض قرار دینا ناممکن ہے کیونکہ اس کا تعین تکلیف کا باعث ہے۔ (فتح الباری ۱۱/۲۱)

اور استیذان (اجازت طلب کرنا) تو نظر پڑنے کے خطرے سے ہے تا کہ نظر لوگوں کی قابل ستر چیز پر نہ پڑے جیسا کہ صحیح حدیث میں آیا ہے:

انما جعل الاستیذان من اجل البصر[2]

اور سلام کہنا تو گذشتہ حدیث کی رو سے پیار و محبت بڑھانے کے لیے ہے لیکن سلام اور استیذان میں تقدیم کا مسئلہ اہل علم میں مختلف فیہ ہے۔بعض نے کہا ہے کہ پہلے اجازت لی جائے اور یوں کہے ''کیا میں داخل ہو جاؤں؟ السلام علیکم ورحمۃ اللہ'' کیونکہ آیت کریمہ میں سلام پر استیناس (استیذان) کو مقدم کیا گیا ہے......اور اس بات میں بھی کوئی امر مانع نہیں کہ سلام کہہ کر اجازت طلب کی جائے۔[3]

---

[1] اخرجہ البخاری فی کتاب الاستیذان۔ باب افشاء السلام ۱۱/۲۰ فتح الباری۔

[2] تقدم تخریجہ فی مبحث الاستیذان علی المحارم

[3] و قال بہ فضیلۃ الشیخ محمد بن عثیمین استدلا لاً بظاھر الایۃ

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اگر کسی انسان پر نظر پڑ جائے تو پہلے سلام کہہ دے ورنہ اجازت لی جائے اور یوں کہے" السلام علیکم کیا میں داخل ہو سکتا ہوں؟" یہی بات حق اور درست ہے (انشاء اللہ) کیونکہ آپ ﷺ سے آیت کی تشریح اسی طرح مذکور ہے [1]

اور آپ ﷺ سے صحیح طور پر ثابت ہے (فعلی اور تعلیمی لحاظ سے) کہ اجازت لینے سے پہلے سلام کہنا چاہیے جیسا آپ ﷺ سے ایک آدمی نے اجازت طلب کی اور یوں کہا: کیا میں اندر آ سکتا ہوں؟ تو آپ ﷺ نے اپنے پاس بیٹھے ہوئے آدمی سے فرمایا کہ باہر نکل کر اس کو اجازت لینے کا طریقہ سکھاؤ اور اسے کہو کہ یوں کہے: "السلام علیکم! کیا میں داخل ہو سکتا ہوں؟" آدمی نے اس کو سن کر ویسے ہی کہہ دیا "السلام علیکم! کیا میں داخل ہو سکتا ہوں؟" تب نبی کریم ﷺ نے اس کو اجازت دی [2]

اور جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ سے اجازت طلب کی جب کہ آپ ﷺ اپنے بالاخانہ [3] میں اپنی بیویوں سے قسم کھا کر ٹھہرے ہوئے تھے [4] تو انہوں نے کہا: اَسلام علیك یا رسولَ اللّٰه۔ السلام علیکم! کیا عمر داخل ہو سکتا ہے؟ [5]

امام ابن القیم رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ ان سنن میں اس شخص کا رد موجود ہے جو

---

[1] فتح القدير للشوكاني ٤/ ٢٠

[2] تقدم تخريجه' في مبحث صيغ الاستيذان

[3] المشربه وہ کمرہ جو کھجور کے پتوں اور تنے سے بنا ہوا ہو۔

[4] فقہاء کے نزدیک "ایلاء" یہ ہے کہ آدمی اپنی بیوی کے پاس چار ماہ سے زیادہ مدت نہ جائے۔

(الروض المربع ۴۵۱)

[5] اخرجه' البخاری فی التفسیر فی تفسیر سورة التحریم ٨/ ٥٢٥ فتح الباری و مسلم فی الطلاق' باب فی الایلاء و اعتزال النساء ١٤٧٩ ـ

کہتا ہے کہ سلام کہنے سے پہلے اجازت لینی چاہیے اورا س شخص کا بھی رد موجود ہے جس نے کہا ہے کہ اگر گھر والے پر نظر پڑ جائے تو پہلے سلام کہہ دے ورنہ پہلے اجازت طلب کرے کیونکہ یہ دونوں قول سنت کے خلاف ہیں۔ (زادالمعاد ۲/۴۳۰)

اور ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے جس نے سلام کہنے کے بعد ''کیا میں داخل ہوسکتا ہوں؟'' یا ''فلاں داخل ہوسکتا ہے؟'' نہ کہا' یا یہ دونوں جملے کہنے کے بعد سلام نہ کہا' تو وہ اس بات کا حقدار نہیں ہے کہ اس کو اجازت دی جائے۔

(التمہید ۳/۲۰۳)

امام مذکور کی کلام میں اس شخص کا بھی رد ہے جس نے کہا ہے کہ سلام کے ذریعے ہی اجازت مل جاتی ہے۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صحیح بات وہ ہے جو سنت میں مذکور ہے اور اہل تحقیق نے فرمایا ہے کہ سلام کو مقدم کرتے ہوئے یوں کہے السلام علیکم کیا میں داخل ہوسکتا ہوں؟ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سلام پہلے کہنے کے سلسلے میں دو صحیح حدیثیں ثابت ہیں[1]

ایک اور حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا تَأْذَنُوا لِمَنْ لَمْ يَبْدَأْ بِالسَّلَامِ[2]

''جو پہلے سلام نہ کہے اس کو اجازت نہ دو''۔

میرا خیال یہ ہے کہ اس کی تائید حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ہوتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے:

إِذَا دَخَلَ وَلَمْ يَقُلِ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ فَقُلْ لَا حَتّٰى تَأْتِيَ بِالْمِفْتَاحِ ،

---

[1] شرح النووی علی مسلم ۱۴/۱۳۱

[2] اخرجه البیهقی و صححه الالبانی فی صحیح الجامع (۷۱۹۰) و السلسلة ۱۸۷۔

اَلسَّلَامُ[1]

''جب کوئی داخل ہونے کے لیے السلام علیکم نہ کہے تو اسے کہو کہ اجازت نہیں ہے یہاں تک کہ چابی (سلام) لے کر آؤ''۔

علماء کے اقوال اور دلائل کی روشنی میں جس بات کی ترجیح ظاہر ہوتی ہے وہ یہی ہے کہ سلام کو استیذان پر مقدم کرنا چاہیے اور اسی کے سنتِ مطہرہ کے واضح دلائل ثبوت پیش کرتے ہیں۔

اور جن لوگوں نے استیذان کو سلام پر مقدم کیا ہے اور اس فرمانِ الٰہی ہے ﴿حَتّٰی تَسْتَاْنِسُوْا وَ تُسَلِّمُوْا﴾ کو بطور دلیل پیش کیا ہے اور کہتے ہیں کہ عطف ترتیب کا تقاضا کرتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ عطف میں صرف شرکت ہوتی ہے اور آخری بات کا عطف پہلی بات پر بھی ڈالا جا سکتا ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا مَرْيَمُ اقْنُتِي لِرَبِّكِ وَ اسْجُدِي وَارْكَعِي مَعَ الرَّاكِعِينَ﴾

(ال عمران : ٤٣)

''اے مریم! اپنے رب کی تابع فرمان بن کر رہ' اس کے آگے سربسجود ہو اور جو بندے اس کے حضور جھکنے والے ہیں ان کے ساتھ تو بھی جھک جا''۔

حالانکہ رکوع سجدہ سے پہلے ہوتا ہے۔ (اضواء البیان ۶/۱۷۴)

اور جس نے کہا ہے کہ سلام ہی اجازت کے قائم مقام ہے تو اس کے پیش نظر تمام اقوال میں تطبیق پیدا ہو جاتی ہے جیسا کہ ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ کا کلام اس کے رد میں گزر چکا ہے۔ واللہ اعلم

---

[1] رواہ البخاری فی الادب المفرد باب الاستیذان غیر السلام ۲/۵۰۵ بشرحه فضل الله الصمد و اخرج نحوه' ابن ابی شیبه فی مصنفه کتاب الادب باب فی الرجل یستاذن و لایسلم ۵/۵۵۵۔

**چھٹی بحث :**

# بغیر اجازت کسی دوسرے کے گھر جھانکنا اور اس کے نقصانات

اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلام لوگوں کی عزتوں کی حفاظت کرتا ہے پس وہ کسی انسان کے لیے بھی کوئی ایسا موقع فراہم نہیں کرتا جس میں وہ کسی دوسرے پر اس کی اجازت کے بغیر جھانک سکے یہاں تک کہ بغیر یقین شبہ کی حالت میں بھی پس کسی کے لیے بھی دوسروں پر اجازت لیے بغیر جھانکنا جائز نہیں ہے۔

اور سنتِ مطہرہ نے اس حکم کو بالکل شافی وافی انداز میں بیان فرمایا ہے اور رسول اکرم ﷺ نے خود اس پر عمل کر کے دکھایا۔ اور اس سلسلہ میں حضرت سہل بن سعد کی حدیث آپ ﷺ سے وارد ہے۔ کہ ایک آدمی نے نبی کریم ﷺ کے حجروں کے کسی سوراخ میں سے جھانکا اور نبی کریم ﷺ کے پاس لوہے کی کنگھی نما چیز تھی جس سے آپ ﷺ اپنا سر کھجا رہے تھے۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

لَوْ اَعْلَمُ اَنَّكَ تَنْظُرُ لَطَعَنْتُ بِهٖ فِيْ عَيْنِكَ اِنَّمَا جُعِلَ الْاِسْتِيْذَانُ مِنْ اَجْلِ الْبَصَرِ[1]

''اگر مجھے علم ہوتا کہ تو دیکھ رہا ہے تو میں اس سلائی کو تیری آنکھ میں چبھو

---

[1] رواہ البخاری فی الاستیذان' باب الاستیذان من اجل البصر ١١/٢٦ فتح الباری۔ و مسلم فی الادب' باب تحریم النظر فی بیت الغیر ١٤/١٣٦ بشرح النووی۔

دیتا کیونکہ اجازت لینا نظر پڑنے کی وجہ سے ہی تو فرض کیا گیا ہے''۔

اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ ایک آدمی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حجروں میں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھانکا پس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم لوہے کی کوئی چیز لے کر کھڑے ہوئے اور آدمی کو تلاش کرنے لگے تاکہ اس کی آنکھ میں چھودیں۔

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

وَلَوِ اطَّلَعَ فِيْ بَيْتِكَ احَدٌ فَلَمْ تَاْذَنْ لَهٗ فَحَذَفْتَهٗ بِحِصَاةٍ فَفَقَأْتَ عَيْنَهٗ مَا كَانَ عَلَيْكَ مِنْ جُنَاحٍ.[1]

''اگر تیرے اجازت نہ دینے کے باوجود کوئی تیرے گھر میں جھانکے اور تو (غصے میں آکر) کوئی کنکری مار کر اس کی آنکھ پھوڑ دے تو تجھ پر کوئی سرزنش نہ ہوگی''۔

ور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اثر میں ہے:

''جس نے اجازت ملے بغیر گھر کے جھروکے سے خوب نظر بھر کر دیکھ لیا اس نے گناہ کیا۔ ان آثار صحیحہ میں درج ذیل چند مسائل ہیں۔

## پہلا مسئلہ:

لوگوں کے گھروں میں ان کی اجازت کے بغیر جھانکنے والے کی آنکھ پھوڑ دینا مذکورہ بالا آثار اس پر واضح طور پر دلالت کر رہے ہیں حنابلہ اور شوافع کا یہی موقف ہے کہ اگر اس کی آنکھ پھوڑ دی جائے تو نہ اس پر قصاص ہے نہ دیت اور انہوں نے گزشتہ احادیث سے استدلال کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مَا كَانَ عَلَيْكَ

---

[1] اخرجه البخاری فی الدیات باب من اخذ حقه او اقتص دون السلطان ۱۲/۲۲۵ فتح الباری۔

مِنْ جُنَاحٍ" لٰہذا اس پر دیت اور قصاص کو واجب قرار دینا "جناح" ہے کیونکہ آپ ؐ نے فرمایا: "لَوْ اَعْلَمُ اَنَّكَ تَنْظُرُ طَعَنْتُ بِهِ عَيْنَكَ" اس کے جائز ہونے کی دلیل ہے...... کیونکہ نبی کریم ﷺ جائز کام کا ہی قصد کر سکتے تھے۔ پس جب یہ جائز ہوا تو اس پر کوئی قصاص اور دیت نہیں ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی گذشتہ حدیث پر بحث کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ جھانکنے کی آنکھ پر کوئی معمولی سی چیز پھینکنا جائز ہے اور اگر اسی سے اس کی آنکھ پھوٹ جائے تو اس کا وہ ضامن نہ ہوگا کیونکہ اس نے ایسے گھر میں دیکھا ہے جس میں کوئی ذی محرم عورت نہ تھی۔ واللہ اعلم (شرح النووی علی مسلم ۱۴/ ۱۳۸)

اس مسئلہ میں مالکیہ اور حنیفہ نے مخالفت کی ہے اور کہا ہے کہ:

چونکہ اس نے اس کی آنکھ پھوڑی ہے اس لیے اس پر قصاص یا دیت واجب ہے' امام شوکانی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کیونکہ ان کی اس تاویل کا مقصد یہ ہے کہ گناہوں کا بدلہ اس جیسے گناہوں سے نہیں ہوتا۔

اور یہ انوکھی باتوں میں سے ہے کیونکہ ایک انصاف پسند صحیح احادیث کے مقابلہ میں ان جیسے اقوال کو مضبوطی سے تھام لینے سے خوش نہیں ہوتا۔ کیونکہ ہر عالم جانتا ہے کہ جس بات میں شارع علیہ السلام نے اجازت دی ہو اس کو نافرمانی نہیں کہتے... پس جھانکنے والے کی آنکھ پھوڑنا معاصی کا جواب معاصی سے دینا' کے زمرہ میں نہیں آتا۔ اور انھوں نے یہ علت بیان کی ہے کہ وارد شدہ حدیث سختی اور ڈرانے پر مبنی ہے۔ اور منع کا جواب یہ دیا جاتا کہ جو کچھ ہمیں رسول اکرم ﷺ سے پہنچا ہے وہ سراسر شریعت ہے مگر کسی قرینہ کی بنا پر۔ اور بعض نے دیکھنے والے کو ڈرانے سے قبل یا بعد میں پھینکنے کے درمیان فرق کیا ہے اور اس بابت کی احادیث کا ظاہری معنی تفریق کے خلاف ہے۔ واللہ اعلم (نیل الاوطار ۷/ ۲۶)

اور پہلا قول راجح ہے یعنی اگر اس کی آنکھ پھوڑ دی جائے تو اس پر نہ

قصاص ہے نہ دیت اور اس قول سے انحراف جائز نہیں الا یہ کہ کوئی ایسی دلیل آ جائے جس کی طرف رجوع کرنا ضروری ہو۔ (اضواء البیان ۱۸۲/۶)

اور اس قول کو بہت اکثر علماء نے ترجیح دی ہے جن میں امام شوکانی رحمہ اللہ اور امام نووی رحمہ اللہ بھی شامل ہیں۔ (اضواء البیان ۱۸۲/۶) اور ہمارے محترم شیخ محمد بن صالح بن عثیمین بھی۔

## دوسرا مسئلہ :

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان:

اِنَّمَا جُعِلَ الْاِسْتِیْذَانُ مِنْ اَجْلِ الْبَصَرِ.

اجازت طلب کرنا نظر سے بچنے کے لیے لازم کیا گیا ہے۔ سے یہ معنی نہیں لیا جا سکتا کہ نابینا اجازت طلب نہ کرے کیونکہ قلیل چیز پر حکم مرتب نہیں ہوا کرتے۔ اس لیے نابینا ہونے کے باوجود اجازت لینی پڑے گی۔

## تیسرا مسئلہ :

جس نے کھلے ہوئے دروازے سے جھانکا' اس کی آنکھ نہیں پھوڑی جائے گی کیونکہ کھلے ہوئے دروازے کی کوئی حرمت نہیں ہے۔[1]

## چوتھا مسئلہ :

اگر کوئی دیوار کے اوپر سے جھانکے اس کی بھی آنکھ پھوڑی جائے گی۔

کیونکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنِ اطَّلَعَ فِیْ بَیْتِ قَوْمٍ بِغَیْرِ اِذْنِهِمْ فَقَدْ حَلَّ لَهُمْ اَنْ یَفْقَأُوْا عَیْنَهُ.[2]

''جس نے کسی قوم کے گھر میں اجازت کے بغیر جھانکا تو گھر والوں کے لیے اس کی آنکھ پھوڑنا جائز ہے''۔

---

[1] من افادات شیخنا محمد بن عثیمین [2] اخرجه احمد فی مسنده ۲۶۶/۲، و مسلم فی الادب، باب تحریم النظر فی بیت الغیر ۱۳۶/۱٤

پس آپ کا فرمان ''بیت قوم'' میں دیوار کے اوپر سے جھانکنا بھی شامل ہے۔

**پانچواں مسئلہ :**

اگر کوئی جھانک کر واپس چلا جائے تو گھر والا اس کے پیچھے آ کر اس کی آنکھ نہیں پھوڑ سکتا۔ بلکہ وہ اس کو مل کر یہ معلوم کرے کہ وہ کیا چاہتا تھا نہ کہ اس کی آنکھ پھوڑنے کی غرض سے اس کو پیچھے سے ملے۔[1]

**چھٹا مسئلہ :**

اگر کوئی آدمی کسی آدمی کو اپنے گھر جھانکنے کی اجازت دے دے اور وہ جھانک لے اور گھر کے دوسرے افراد اس کی آنکھ پھوڑ دیں تو وہ اس کی آنکھ پھوڑنے کے ذمہ دار ہوں گے اور دیت کے لیے وہ اس شخص سے رجوع کریں گے جس نے اجازت دی تھی۔

**ساتواں مسئلہ :**

صرف آنکھ پھوڑنا مقصود ہے اگر گھر والا (حوالہ سابقہ) جھانکنے والے کو کوئی چیز مارے اور وہ آنکھ کی بجائے اس کی پیشانی اور ابرو پر لگ جائے تو جھانکنے والا خود اس کا ذمہ دار ہوگا بشرطیکہ غلطی سے لگ جائے' قصداً نہیں۔ (حوالہ سابقہ)

---

[1] من افادات فضیلۃ شیخنا محمد بن عثیمین۔

## ساتویں بحث :

# کیا آدمی کا قاصد اس کی اجازت کے قائم مقام ہے؟



امام بخاری رحمہ اللہ نے باب قائم کرتے ہوئے یوں لکھا ہے:

بَابُ اِذَا دُعِیَ الرَّجُلُ فَجَاءَ هَلْ يَسْتَاْذِنُ.

''جب آدمی کو بلایا جائے اور وہ آئے' تو کیا وہ اجازت لے؟''۔

پھر آپ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث بیان کرتے ہوئے یوں بیان کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: هُوَاِذْنُهُ (کہ بلانے والا آدمی ہی اجازت ہے)[1]

پھر اس کے بعد حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک اور حدیث بیان کی ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ داخل ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک پیالے میں دودھ پایا تو فرمایا:

يَا اَبَاهِرّ، اِلْحَقْ اَهْلَ الصُّفَّةِ فَادْعُهُمْ اِلَیَّ.

''اے ابو ہریرہ! اہل صفہ کے پاس جا اور انہیں میرے پاس بلا کر لا''۔

میں ان کے پاس گیا اور انہیں آنے کو کہا وہ آئے اور اجازت طلب کی' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اجازت دی تو وہ داخل ہو گئے۔[2]

---

[1] رواه البخاری تعلیقاً بصیغة الجزم والبخاری لا یعلق بصیغة الجزم الا الصحیح کما ذکر ذلك الحافظ فی تغلیق التعلیق۔ فی کتاب الاستیذان باب اذا دعی الرجل فجاء فهل یستأذن ۱۱/۳۳۔ فتح الباری

[2] اخرجه البخاری فی کتاب الاستیذان باب اذا دعی الرجل فجاء فهل یستاذن ۱۱/۳۳۔ فتح الباری

ان دونوں حدیثوں کے ظاہری الفاظ میں تعارض پایا جاتا ہے اور امام ابن قیم رحمہ اللہ نے ان دونوں میں یوں تطبیق دی ہے کہ اگر مدعو بلا تاخیر فی الفور آ جائے تو اس کو اجازت لینے کی ضرورت نہیں اور اگر آنے والا دعوت پر کچھ دیر سے آئے اور وقت زیادہ ہو جائے تو اجازت لینے کی ضرورت ہے۔

اور دوسروں نے کہا ہے کہ اگر بلانے والے کے پاس مدعو کے آنے سے پہلے کوئی اور موعو شخص ہو تو اجازت لینے کی ضرورت نہیں اور اگر وہاں کوئی موجود نہ ہو تو اجازت لیے بغیر داخل نہ ہو۔ (زاد المعاد ۲/۴۳۳)

اور امام شنقیطی رحمہ اللہ نے ایک اور انداز سے تطبیق دیتے ہوئے فرمایا ہے جب مدعو قاصد کے ساتھ چلا آئے تو اجازت نہیں لے گا اور اگر اس سے بعد میں آئے گا تو اجازت لے گا کیونکہ اصحابِ صفہ کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یوں الفاظ ہیں فَاَقْبَلُوْا فَاسْتَاْذَنُوْا (وہ آئے اور اجازت طلب کی) اور یہ الفاظ ثبوت پیش کر رہے ہیں کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ان کے ساتھ نہ تھے اگر ساتھ ہوتے تو یوں کہتے فَاَقْبَلْنَا لیکن اجازت طلب کرنا بہتر ہے۔

(اضواء البیان ۶/۸۶)

اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک اور حدیث میں مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "رَسُوْلُ الرَّجُلِ اِلَی الرَّجُلِ اِذْنُہٗ" آدمی کے پاس کسی کا قاصد اجازت کے قائمقام ہے[1]

ایک اور روایت میں ہے کہ جب تم میں سے کوئی کھانے کی طرف بلایا جائے اور وہ قاصد کے ساتھ ہی چلا آئے تو وہ قاصد ہی اس کی اجازت ہے۔

---

[1] رواهما ابو داؤد في الأدب، باب في الرجل يدعى أيكون ذلك اذنه ١٤/٩٣ بشرحه عون المعبود و قال الألباني اسناده صحيح المشكوة ٣/١٣٢٤۔

موفق رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اس حدیث میں اس بات کا ثبوت موجود ہے کہ دعوتِ ولیمہ ہی داخلے اور کھانے پینے کی اجازت ہے۔ (المغنی ۸/۱۰۸)

اس مسئلہ میں معاملہ وسیع ہے اور حسبِ عرف اس میں اختلاف کیا گیا ہے اور خصوصاً اس زمانے میں جب کہ لوگوں کے گھر بہت کشادہ ہو چکے ہیں اور آدمیوں کے داخل ہونے کی جگہ عورتوں کی جگہ سے الگ بنائی ہوتی ہے لہٰذا جب انسان نے مہمانوں کے لیے جگہ تیار کی ہو اور ایک مقرر وقت بھی دیا گیا ہو تو اجازت لینا لازم نہیں ہے۔

ہمارے شیخ محمد بن عثیمین رحمہ اللہ نے کہا ہے جب آدمی کو بلایا جائے اور وہ دروازے کو کھلا پائے اور جگہ سجی ہوئی ہو تو بلا اجازت داخل ہو جائے کیونکہ عرف میں یہ اجازت ہی ہے۔

میرا خیال ہے کہ یہ بھی اجازت کی ایک قسم ہے یعنی عرف کی اجازت۔

امام ابن قیم رحمہ اللہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعریف میں اللہ تعالیٰ کے کلام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے یعنی اپنے مہمان فرشتوں کی عزت کرتے ہوئے:

﴿ هَلْ اَتَاکَ حَدِیْثُ ضَیْفِ اِبْرَاهِیْمَ الْمُکْرَمِیْنَ اِذْ دَخَلُوْا عَلَیْهِ فَقَالُوْا سَلَامًا قَالَ سَلَامٌ قَوْمٌ مُّنْکَرُوْنَ ﴾ (الذاریات : ۲۴۔۲۵)

''اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ! ابراہیم علیہ السلام کے معزز مہمانوں کی حکایت بھی تمہیں پہنچی ہے جب وہ اس کے ہاں آئے تو کہا آپ پر سلام ہو‘ اس نے کہا آپ لوگوں کو بھی سلام ہو کچھ ناآشنا سے لوگ ہیں''۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فرمان اِذْ دَخَلُوْا عَلَیْهِ میں ان کی اجازت کا ذکر نہیں کیا لہٰذا اس میں دلیل ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام مہمانوں کی عزت کرنا جانتے تھے اور ان کی ضیافت سے بھی واقف تھے اس لیے آپ کا گھر ہر آنے والے مہمان

کے لیے ہر وقت تیار رہتا تھا۔ جی میں اجازت کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ بلکہ داخل ہونے والے کا داخل ہونا ہی اجازت ہے اور یہ انتہائی عزت وتکریم کی علامت ہے۔[1]

---

[1] جلاء الافهام فی فضل الصلاة و السلام علی محمد خیر الانام : ۲۷۱
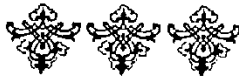
# تیسری فصل

## سنتِ مطہرہ میں اجازت لینے کے آداب

اس میں پانچ بحثیں ہیں:

- ☆ مناسب اوقات کو اختیار کرنا
- ☆ دروازے پر شرعی لحاظ سے کھڑا ہونا
- ☆ اجازت لینے والے کو پوچھنے پر اپنا نام بتانا چاہیے
- ☆ داخل ہوتے ہوئے مسلمان کو کون سے آداب ملحوظ رکھنے چاہئیں؟
- ☆ اجازت لینے کے متعلق احتیاطیں

**پہلی بحث :**

# مناسب اوقات کو اختیار کرنا

بے شک مسلمان پر ضروری ہے کہ وہ اوقات اور لوگوں کے مزاج کا خیال کرتے ہوئے عرف اور مزاج کے مطابق مناسب اوقات کا انتخاب کرے۔

اور یہ سب کچھ ہمیں ہماری لطیف وممدوح اور خوبیوں سے بھری شریعت بتاتی ہے۔ ہمارے ہادی ورہنما ﷺ نے اس کی ترغیب بھی دی ہے اور اسی کی طرف ہماری رہنمائی کی ہے' پس آپ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو اچانک سفر سے واپسی پر رات کو عورتوں کے پاس آنے سے منع فرمایا ہے۔ (''طرق'' رات کے وقت آنا' شرح النووی علی المسلم ۱۳/۷۱)[1]

جب آپ کسی سفر سے واپس مدینہ آئے تو آپ ﷺ نے اس کے باہر پڑاؤ ڈالا اور کہا کہ پچھلے پہر تک صبر کرو تاکہ پراگندہ بالوں والی کنگھی کرلے اور اپنے خاوند کو (سفر کی وجہ سے) غائب پانے والی زیر ناف بال صاف کرلے۔[2]

نبی کریم ﷺ نے ان کو یہ حکم کہ وہ شام ہونے تک انتظار کریں اس لیے دیا تاکہ ان کی بیویوں کو ان کے آنے کا علم ہو جائے اور وہ زیب وزینت لگا کر تیار ہو جائیں۔

---

[1] رواه الترمذی فی الاستیذان باب ماجاء فی کراهیة طروق الرجل أهله لیلاً ۷/۳۴۵۔ و قال الترمذی عن الحدیث' حسن صحیح ۔

[2] اخرجه البخاری فی الطلاق باب لایطرق اهله لیلاً (۲۵۱/۹) فتح الباری و مسلم فی الامارة ، باب کراهیة الطروق ۷۰/۱۳ بشرح النووی ۔

پس اس ادبِ نبویؐ نے عورتوں کے پاس (سفر سے واپسی پر) رات کے وقت آنے سے روک دیا یا غفلت کی حالت میں (بلا اطلاع سفر سے) ان پر آوارد ہونے سے۔ اور اس کی وجہ بھی بیان فرما دی کہ اس طرح عورت اپنے خاوند کے لیے زیب وزینت نہیں لگا سکتی اور وہ اسے اس حالت میں دیکھ سکتا ہے جو اسے پسند نہ ہو۔

رات کو (اچانک) آنے میں ایک وحشت سی ہے جسے اللہ ہی خوب جانتا ہے پس خاوند اپنی بیوی کو گھبراہٹ میں ڈال دے گا' جب وہ اچانک گھر میں آئے گا' اور اس رات آنے کی اس کی بیوی کو توقع بھی نہ ہو۔

پس مسلمان کو چاہیے کہ اس سے خبردار رہے اور اس بارے میں اپنی بیوی کے احساسات کا خیال رکھے' خصوصاً ہمارے اس دور میں، وللہ الحمد۔ کیونکہ دنیا کے کونے کونے میں پیغام پہنچانے کے لیے مواصلات کی بہتات ہو چکی ہے لہٰذا سفر سے واپس آنے کی اطلاع دینا بہت آسان ہے۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے:

لمبے سفر سے واپسی پر اپنی بیوی کے پاس اچانک آنا مکروہ خیال کیا جاتا ہے اور اگر سفر قریب ہو اور اس کی بیوی کو رات تک آنے کی اس کو توقع ہو تو کوئی حرج نہیں ہے اور اسی طرح اگر وہ کسی قافلے میں ہو جیسا کہ لشکر وغیرہ اور ان کے آنے کا امر مشہور ہو جائے تو اس کے رات کو آنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(شرح النووی علی مسلم ۱۳/۷۱)

اس دوران ہم دیکھتے ہیں کہ اخلاق نبویؐ دوسروں کے مزاج کا لحاظ کرتے ہیں اور فرد اور معاشرہ کی حفاظت بھی کرتے ہیں بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کی روایت میں مروی ہے کہ

''جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو آتے تو اس انداز میں سلام کہتے کہ بیدار افراد

سن لیتے اور سونے والوں کی نیند خراب نہ ہوتی“[1]

اجازت طلب کرنے کے لیے اوقات کا لحاظ رکھنا نہایت ضروری امر ہے اور مسلمان کے لیے اس کا خیال رکھنا ضروری ہے اور یہ ایک ایسا امر ہے جس سے آج کل اکثر لوگ غفلت برتتے ہیں۔

ہم ہیں تو مسلمان لیکن ہمارے اخلاق (احساسات) ان نازک امور کے بارے میں بگڑ چکے ہیں اور کرخت ہو چکے ہیں اور آدمی دن رات کے اوقات میں جس وقت بھی چاہتا ہے اپنے بھائی کے گھر میں کود پڑتا ہے اور دروازہ کھٹکھٹاتا رہتا ہے اور واپس نہیں لوٹتا یہاں تک کہ گھر والے پریشان ہو کر دروازہ کھول ہی دیتے ہیں حالانکہ بعض لوگوں کے گھروں میں ٹیلیفون بھی ہوتے ہیں اور اپنے آنے سے پہلے مہذب طریقے سے اجازت بھی لے سکتے ہیں لیکن اس طریقے کو فضول خیال کرتے ہیں۔ اور بلاوقت کود پڑتے ہیں اور بغیر وعدہ لیے آ جاتے ہیں اور مڑنے کا نام نہیں لیتے اور بعض اوقات کھانے کے وقت آ ٹپکتے ہیں اور اگر انہیں (کسی مجبوری کی بنا پر) کھانا پیش نہ کیا جائے تو دل میں ناراضگی محسوس کرتے ہیں۔ اور کبھی کبھی سونے کے وقت دروازہ کھٹکھٹا دیتے ہیں اور اگر انہیں رات گزارنے کی پیش کش نہ کی جائے تو اپنے دل میں برا محسوس کرتے ہیں اور ان غیر مناسب اوقات میں گھر والے کا عذر قبول بھی نہیں کرتے کیونکہ ہم اسلامی آداب کو اپناتے نہیں ہیں اور نہ ہی اپنی خواہشات کو رسول اکرم ﷺ کے لائے ہوئے دین کے مطابق کرنے کے لیے تیار ہیں۔

اور ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے غیر جو اسلام کے قائل نہیں ہیں۔ وہ اپنے

---

[1] رواہ البخاری فی الادب المفرد، باب التسلیم علی النائم ۲/ ٤٨٢ بشرحہ فضل اللہ الصمد۔

طور طریقوں میں ہمارے دین کے اصولوں سے مشابہت پیدا کرنے کا خاص اہتمام کرتے ہیں لہٰذا ہمیں ان کو دیکھ کر تعجب ہوتا ہے...... اس کے برعکس ہم کوشش نہیں کرتے کہ اپنے بہترین دین کے اصولوں کو پہچانیں اور اس پر مطمئن ہو جائیں۔

(فی ظلال القرآن ۱۸/۹۱ بتصرف)

**دوسری بحث:**

# اجازت لینے کے دوران میں دروازے پر کھڑا ہونے کی شرعی حالت

اجازت لینے کے آداب میں سے یہ ایک بڑا اہم ادب ہے کہ اجازت لیتے وقت کھڑا ہونے کی ہیئت و کیفیت کا خاص خیال رکھا جائے اور زیارت کرنے والا دروازے کے بالکل سامنے کھڑا نہ ہو بلکہ دائیں' بائیں کھڑا ہو۔

نبی کریم ﷺ سے بہت سے موقعوں پر اس کی صحیح کیفیت ثابت ہے چنانچہ حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ رسول اکرم ﷺ جب دروازے پر آتے تو اجازت لیتے وقت دروازے کے سامنے کھڑے نہ ہوتے بلکہ دیوار کے ساتھ چلتے رہتے یہاں تک کہ اجازت طلب کرتے رہتے یہاں تک کہ آپ ؐ کو اجازت دی جاتی یا آپ ؐ واپس چلے آتے [1]

ایک اور حدیث میں ہے کہ ایک آدمی نبی کریم ﷺ کے دروازے پر آیا اور دروازے کے سامنے کھڑا ہو کر اجازت طلب کرنے لگا تو اسے نبی کریم ﷺ نے فرمایا: دروازے کے دائیں طرف کھڑے ہو جاؤ یا بائیں طرف (سامنے کھڑے نہ ہو) نظر پڑنے کے خطرے سے تو اجازت طلب کی جاتی ہے [2]

---

[1] رواہ الامام احمد فی المسند من مسند عبداللہ بن بسر ٤/٨٩ و البخاری فی الادب المفرد' باب کیف یقوم عند الباب ٢/٥١٣ بشرحہ فضل اللہ الصمد' و ابوداؤد فی الادب بلفظ قریب من ھذا' باب کم مرۃ یسلم الرجل فی الاستیذان و صححہ الالبانی ٣/٩٧٤' صحیح سنن ابی داؤد

[2] رواہ ابوداؤد فی الادب' باب فی الاستیذان' و صححہ الالبانی ٣/٩٧٢ صحیح سنن ابی داؤد۔

نبی کریم ﷺ نے اس آدمی سے اجازت طلب کرنے کی علت بیان فرما دی کہ نظر پڑنے کی وجہ سے اجازت لی جاتی ہے...... کیونکہ اجازت لینے والا جب دروازے کے بالکل سامنے کھڑا ہوگا تو دروازہ کھلنے پر وہ اجازت لیے بغیر ہی گھر کے اندر جھانک سکتا ہے اور اس میں جو کچھ حرج ہے اس کا ذکر گزر چکا ہے۔

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اثر میں ہے، انہوں نے فرمایا کہ جس نے گھر کے دراڑ سے اجازت ملنے سے پہلے ہی آنکھ بھر کر دیکھ لیا، اس نے گناہ کیا۔[1]

اکثر طور پر گھروں کے اندر اجازت ملے بغیر نظر پڑ جانا، دروازے پر اجازت لیتے وقت کھڑا ہونے میں اسلامی قوانین کی مخالفت کا نتیجہ ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے سکھائے ہوئے آداب کا خصوصی اہتمام کریں حتیٰ کہ آج ہمارے زمانے میں بھی، جب کہ دروازے بہت مضبوط اور محفوظ بنائے جاتے ہیں پھر بھی دروازہ کھلنے پر گھر میں نظر پڑ سکتی ہے اور وہ گھر والوں کی وہ چیزیں دیکھ لیتا ہے جو وہ دکھانا پسند نہیں کرتے، بخلاف اس کے کہ اگر دروازہ اس کے دائیں بائیں ہوگا تو دروازہ کھلتے وقت وہ گھر کے اندر دیکھ نہیں سکتا۔

اسی طرح مسلمان پر یہ بھی واجب ہے کہ اجازت طلب کرتے وقت اگر اس کو یہ کہا جائے کہ ''ٹھہرو! ہم آتے ہیں'' تو وہ دروازے سے ایک طرف ہٹ کر کھڑا ہو جائے۔ (دائیں یا بائیں) واللہ اعلم

---

[1] تقدم تخریجه فی الفصل الثانی، المبحث السادس
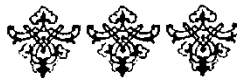
**تیسری بحث :**

# اجازت لینے والے سے اگر اس کا نام پوچھا جائے تو اسے بتانا چاہیے

یہ ادب بھی استیذان کے آداب میں سے بڑا اہم ہے اور بہت زیادہ لوگ اس سے غافل ہیں۔ روز مرہ مشاہدے میں ہم دیکھتے ہیں کہ دروازہ کھٹکھٹانے والا جب دروازہ کھٹکھٹاتا ہے اور اس سے پوچھا جاتا ہے کہ آپ کون ہیں؟ تو وہ جواب میں کہتا ہے ''میں'' ہوں اور بعض اوقات وہ چپ چاپ کھڑا رہتا ہے اور یا وہ گھر والوں سے اپنی ضرورت کا مطالبہ کرتا رہتا ہے اور انہیں اپنا نام نہیں بتاتا۔ اور یہ نبی کریم ﷺ کے صحیح طریقہ کے بالکل خلاف ہے لہٰذا اجازت طلب کرنے والے پر ضروری ہے کہ وہ اپنا نام بتائے کیونکہ یہ بات اس کو جواب دینے، اس کی ضرورت کو پورا کرنے اور گھر والوں کو اس کی آمد سے اطمینان ہونے کا بہت بڑا ذریعہ ہے، جیسا کہ صحیحین میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نبی کریم ﷺ کے پاس اپنے باپ کے قرض کے سلسلے میں آیا جو ان کے ذمہ تھا...... میں نے دروازے کو کھٹکھٹایا تو آپ نے فرمایا: کون؟ تو انہوں نے جواب دیا ''میں میں'' گویا کہ آپ نے اس کو پسند نہ فرمایا[1]

---

[1] اخرجه البخاری فی الاستیذان، باب اذا قیل من فقال انا (۱۱/۳۷) فتح الباری و مسلم فی الاستیذان، باب کراهیة قول المستاذن انا اذا قیل من هذا (۱۴/۱۳۵) بشرح النووی۔

اس حدیث سے دروازہ کھٹکھٹانے کا جواز لیا جا سکتا ہے لیکن آہستگی کے ساتھ' جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آیا ہے کہ:

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے ناخنوں (انگلیوں کے سروں) سے کھٹکھٹائے جاتے تھے''[1]

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا معمول یہ تھا کہ وہ دروازوں کو ناخنوں سے کھٹکھٹاتے کیونکہ اس میں انتہائی ادب' عزت اور آپ کی بزرگی کو مدنظر رکھنا مقصود تھا۔

اور یہ ادب (ناخنوں سے کھٹکھٹانا) اس کے لیے اچھا ہے جو دروازے کے قریب ہو' اور جو دروازے سے اتنا دور ہو کہ اسے ناخنوں سے دروازے کی کھٹکھٹاہٹ نہ سنائی دیتی ہو تو اس صورت میں مستحب یہ ہے کہ حسب ضرورت اس سے اونچی کھٹکھٹایا جائے۔ (فتح الباری ۱۱/ ۳۸) لیکن بہت اونچی دروازہ کھٹکھٹانے سے پرہیز کیا جائے کیونکہ یہ عام معمولات کے لحاظ سے بے ادبی کی علامت ہے[2]

اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یہ بھی واضح ثبوت ہے کہ جب اجازت لینے والے سے گھر والے پوچھیں کہ تو کون ہے تو وہ اپنے نام کی وضاحت کرے یا اپنی کنیت بتائے یا جس نام یا لقب سے مشہور ہے اس کی وضاحت کرے۔

امام ابن قیم رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ اس بارے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رہنمائی یہ ہے کہ جب اجازت طلب کرنے والے سے پوچھا جائے ''تو کون ہے؟'' تو اس کو یوں جواب دینا چاہیے' فلاں ابن فلاں ...... یا اپنی کنیت اور لقب بتائے اور ''میں'' نہ کہے جس طرح کہ معراج کی رات حضرت جبریل علیہ السلام نے فرشتوں سے کہا تھا جب

---

[1] اخرجه البخاری فی الادب المفرد' باب قرع الباب ۲/ ۵۱۵ بشرحه فضل الله الصمد۔

[2] الادب الشرعيه والمنح المرعيه ۱/ ۳۹۹

کہ انہوں نے آسمان کا دروازہ کھلوانا چاہا تو انہوں نے پوچھا ''کون؟'' تو...... انہوں نے جواب دیا تھا ''جبریل'' اور یہ سلسلہ ہر آسمان میں چلتا رہا۔ اور اسی طرح صحیحین میں ذکر ہے کہ نبی کریم ﷺ جب باغ میں بیٹھے ہوئے تھے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آئے اور اجازت طلب کی تو آپ ﷺ نے فرمایا کون؟ تو انہوں نے جواب دیا ''ابوبکر رضی اللہ عنہ''۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ آئے اور اجازت مانگی آپ نے فرمایا کون؟ انہوں نے کہا' عمر رضی اللہ عنہ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ آئے' اجازت طلب کی اور پوچھنے پر جواب دیا' عثمان رضی اللہ عنہ۔[1]

اور جب ام ہانی رضی اللہ عنہا نے اجازت طلب کی تو آپ نے پوچھا کون ہے؟ تو اس نے جواب دیا' ام ہانی رضی اللہ عنہا تو آپ نے کنیت ذکر کرنے کو ناپسند نہیں فرمایا تھا۔[2]

اور اسی طرح جب آپ ﷺ نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کون ہے؟ تو اس نے جواب دیا ابوذر...... اور اسی طرح جب حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا تھا کون؟ تو انہوں نے بھی جواب دیا تھا ابوقتادہ رضی اللہ عنہ (ملاحظہ ہو زاد المعاد ۲/۴۳۱)

نبی کریم ﷺ کے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے فعل کو ناپسند کرنے کی وجہ یہ ہے کیونکہ انہوں نے ''میں'' کہا تھا کیونکہ ''میں'' کہنے سے پہچان نہیں ہوتی اس لیے اس بارے حکم یہ ہے کہ نام لیا جائے جس طرح کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کیا...... کیونکہ نام ذکر کرنے سے سوال کرنے کی زحمت ہی نہیں ہوتی۔[3]

---

[1] اخرجه البخاري في الفضائل' باب مناقب عثمان ٧/٦٥ فتح الباري و مسلم في الفضائل' باب فضائل عثمان ١٥/٧١ بشرح النووي۔

[2] اخرجه البخاري في الغسل' باب التستر في الغسل عند الناس ١/٤٦١ فتح الباري و مسلم في الحيض باب تستر المغتسل بثوب و نحوه ٤/٢٨ بشرح النووي۔

[3] الجامع لاحكام القرآن ١٢/٢١٧

گذشتہ بیانات کی روشنی میں جان لینا چاہیے کہ اجازت لینے والے سے جب گھر والے پوچھیں، تو کون ہے؟ تو اس کو ''میں'' نہیں کہنا چاہیے بلکہ اپنے نام کی وضاحت کرے اور اگر کنیت کے ساتھ مشہور ہے تو کنیت بتا دے کیونکہ ''میں'' کا لفظ تو ہر کوئی کہہ سکتا ہے اس لیے اس سے اجازت لینے والے کی پہچان نہیں ہوتی اور یہ سب کچھ نبی کریم ﷺ سے تاکیداً ثابت ہے جس میں کوئی طعن وغیرہ نہیں ہے۔

(اضواء البیان ۶/ ۱۷۷)

اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں لفظ ''میں'' کا تکرار اس بات کی دلیل ہے کہ آپ ﷺ نے اس کو پسند نہیں فرمایا کیونکہ اس سے اجازت طلب کرنے والے کی پہچان نہیں ہوتی لہٰذا یہ ایسا جواب ہے جو سوال سے مطابقت نہیں رکھتا۔

اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا فرمانا کہ ''گویا کہ آپ ﷺ نے میرے اس جواب کو ناپسند فرمایا'' اس میں نبی کریم ﷺ کی ناپسندیدگی ظاہر ہے کیونکہ آپ ﷺ اس سے راضی نہ ہوئے۔

لہٰذا حدیث کے ظاہری معانی یہ ہوں گے کہ اجازت طلب کرنے والے کا ''میں'' کے لفظ کے ساتھ جواب دینا جائز نہیں ہے کیونکہ اس میں نبی کریم ﷺ کی ناپسندیدگی پائی جاتی ہے اور آپ اس سے راضی نہ ہوئے ...... اور یہ بات اس شخص کے خلاف ہے جس نے کہا ہے کہ یہ ''کراہت تنزیہی'' ہے اور یہ جمہور کا قول ہے۔

واللہ اعلم (حوالہ مذکور)

**چوتھی بحث :**

# داخل ہوتے وقت مسلمان کو کون سے آداب ملحوظ رکھنے چاہئیں؟

کچھ ایسے آداب ہیں کہ جب مسلمان کو اجازت دے دی جائے تو اس کو ان سے آراستہ ہونا چاہیے جن میں اہم ترین درج ذیل ہیں:

1. نگاہ کو نیچا رکھے۔
2. آواز کو پست رکھے۔
3. جہاں گھر والا اس کو بیٹھنے کا حکم دے وہیں بیٹھ جائے اور جب اس کے بیٹھنے کے لیے کوئی جگہ منتخب کر دے تو اس سے تجاوز نہ کرے کیونکہ اس کے گھر میں کوئی چیز ایسی ہوگی جسے وہ دکھانا پسند نہیں کرتا ہوگا لہٰذا اس کے لیے وہیں بیٹھنا ضروری ہے جو جگہ گھر والے نے اس کے لیے مقرر کر دی ہو۔

بعض سلف سے یہ بات وارد ہے کہ

”جب تم میں سے کوئی کسی گھر میں داخل ہو تو جہاں گھر والے اس کو بٹھائیں وہیں بیٹھ جائے کیونکہ وہ اپنے گھر کی (پوشیدہ رکھنے والی) چیزوں سے خوب واقف ہوتے ہیں“[1]

4. لیکن جب اسے کسی معین جگہ پر بیٹھنے کا حکم نہ دے تو جہاں پہنچے وہیں بیٹھ جائے جیسا کہ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے' وہ فرماتے ہیں:

---

[1] اخرجه ابن ابی شیبة فی مصنفه' کتاب الادب' باب اذا دخلت علی قوم فاجلس حیث یجلسونك ٥/٢٣٥۔

15067

''جب ہم نبی کریم ﷺ کے پاس آتے تو ہر کوئی وہیں بیٹھ جاتا جہاں اسے جگہ ملتی''۔[1]

5 کسی کو اٹھا کر اس کی جگہ پر نہ بیٹھا جائے۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ سے صحیح حدیث کے ساتھ ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

لَا یُقِیْمُ الرَّجُلُ الرَّجُلَ مِنْ مَجْلِسِه ثُمَّ یَجْلِسُ فِیْهِ وَلٰکِنْ تَفَسَّحُوْا وَ تَوَسَّعُوْا۔[2]

''کوئی آدمی دوسرے کو اس کی جگہ سے اٹھا کر خود نہ بیٹھے بلکہ کھل جایا کرو اور وسعت پیدا کرلیا کرو''۔

6 کوئی آدمی اجازت کے بغیر دو آدمیوں کے درمیان نہ بیٹھے کیونکہ آپ ﷺ کا فرمان ہے:

وَ لَا یَحِلُّ لِرَجُلٍ اَنْ یُّفَرِّقَ بَیْنَ اثْنَیْنِ اِلَّا بِاِذْنِهِمَا۔[3]

''کسی آدمی کو یہ جائز نہیں کہ وہ بلا اجازت دو آدمیوں کے درمیان بیٹھ کر ان میں جدائی ڈال دے''۔

کیونکہ ہوسکتا ہے کہ ان میں پیار و محبت ہو اور کوئی خفیہ بات چل رہی ہو یا کوئی راز و

---

[1] رواه الترمذی فی الأدب' باب اجلس حیث انتهی بك المجلس ۷/۳۵٤ و قال: حدیث حسن صحیح غریب' و ابوداؤد فی الأدب باب فی التحلق و صححه الالبانی صحیح سنن ابی داؤد ۳/۹۱٦۔

[2] اخرجه البخاری فی الأدب' باب لایقیم الرجل الرجل من مجلسه ۱۱/٦٤ فتح الباری ومسلم فی الأداب فی الجلوس فی المجلس ۱٤/۱٦۰ بشرح النووی۔

[3] رواه الترمذی فی الادب' باب ماجاء فی کراهیة الجلوس بین اثنین بغیر اذنهما ۸/٥ و قال حسن صحیح و ابوداؤد فی الأدب باب فی الرجل یجلس بین الرجلین بغیر اذنهما ۱۳/۱۹٤ عون المعبود و حسنه الألبانی فی المشکاة ٤۷۰٤۔

نیاز کی بات ہو اور اس کے درمیان میں بیٹھنے سے ان کو مشقت اور تکلیف ہو۔

7. بیٹھنے والے اگر دائرے کی شکل میں بیٹھے ہوں تو حلقہ (دائرہ) کے درمیان نہ بیٹھے اور نہ ہی ان کے چہروں کے درمیان حائل ہو کیونکہ اس سے بیٹھنے کا مقصد درہم برہم ہو جائے گا۔ اگر اس کے اس طرح بیٹھنے کی ضرورت ہو تو تب جائز ہے جیسا کہ درس و تدریس اور پڑھانے کی غرض سے ...... اور احادیث میں حلقے کے درمیان بیٹھنے والے کے لیے وعید وارد ہوئی ہے لیکن اسناد کے لحاظ سے وہ احادیث درست نہیں ہیں البتہ یہ بات ادب کے منافی ہے۔

8. اپنے لیے لوگوں کے کھڑے ہونے کی خواہش سے احتراز کرے اور اس میں رغبت نہ کرے۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ سے صحیح طور پر ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

مَنْ سَرَّهُ اَنْ يَتَمَثَّلَ لَهُ الرِّجَالُ قِيَامًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ[1]

''جو شخص اس بات سے خوش ہو کہ آدمی اس کے سامنے (بت بنے) کھڑے ہو جایا کریں' وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنا لے''۔

اس کا یہ مطلب نہیں کہ کسی کے لیے مطلق کھڑا ہونا ممنوع ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ نے انصار کو فرمایا تھا قُوْمُوْا لِسَيِّدِكُمْ.[2] (اپنے سردار کے لیے کھڑے ہو جاؤ) جب کہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کے پاس آئے تھے...... اور دوسری احادیث میں بھی کھڑے ہونے کا ذکر آیا ہے۔

---

[1] رواہ الترمذی فی الادب' باب ماجاء فی کراھیة القیام الرجل للرجل ۷/۷ و قال: حدیث حسن و صححہ الالبانی فی المشکاۃ (٤٦٩٩)

[2] اخرجہ البخاری فی الاستیذان باب قول النبی ﷺ قوموا لسیدکم ۱۱/۵۱ فتح الباری۔

تحقیق اس کی یہ ہے کہ اہل علم نے اس کی تفصیل بیان کی ہے' جیسا کہ امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے:

''کسی کے لیے کھڑا ہونا مذموم ہے لیکن کسی کی طرف کھڑا ہونے میں کوئی حرج نہیں ہے یعنی آگے جا کر اس کا استقبال کیا جائے''۔[1]

اور امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے:

''آنے والے کے لیے تکریم اور عزت کی غرض سے کھڑا ہونا جب کہ وہ صاحب علم' اور عزت و تکریم والا بھی ہو۔ ہمارے نزدیک جائز ہے۔ اور یہ عزت و احترام کے لیے ہوگا نہ کہ ریا کاری کے لیے اور اسی پر احادیث میں تطبیق ممکن ہے''۔[2]

لہٰذا نتیجہ یہ نکلا کہ مذکورہ حدیث میں بیان کردہ وعید اس شخص کے لیے ہے جو یہ پسند کرے کہ لوگ خواہ مخواہ (جھوٹی شہرت کے لیے) اس کے لیے کھڑے ہوا کریں۔ لیکن جس شخص کی حقیقی عزت و تکریم کے پیش نظر لوگ از خود کھڑے ہو جایا کریں' وہ اس وعید میں شامل نہیں ہے کیونکہ نہ تو وہ اس کو پسند کرتا ہے اور نہ ہی یہ اس کا مقصد ہوتا ہے بلکہ لوگ از خود دل و جان سے اس کی عزت و احترام کرتے ہیں بشرطیکہ یہ اس شخص کے لیے ہو جو واقعی اس کا اہل ہے۔[3]

9 اور ملاقات وزیارت کے لیے جانے والے کے لیے مستحب ہے کہ جب وہ صاحبِ خانہ کے ہاں کھانا کھائے تو اس کے لیے حدیث میں وارد دعائیہ الفاظ سے اس کو دعا دے:

---

[1] شرح سنن ابی داؤد مع عون المعبود ١٤/١٢٧

[2] الاذکار النوویہ ص ٢٥١

[3] من افادات شیخنا ابن عثیمین۔

اور وہ الفاظ درج ذیل ہیں:

اَللّٰھُمَّ بَارِكْ لَھُمْ فِیْمَا رَزَقْتَھُمْ وَ اغْفِرْلَھُمْ وَ ارْحَمْھُمْ[1]

''اے اللہ! جو کچھ تو نے انہیں دے رکھا ہے اس میں برکت عطا فرما' ان کو بخش دے اور ان پر رحم فرما''

اسی طرح آپ ﷺ کا فرمان:

اَفْطَرَ عِنْدَكُمُ الصَّائِمُوْنَ وَ اَكَلَ طَعَامَكُمُ الْاَبْرَارُ وَ صَلَّتْ عَلَیْكُمُ الْمَلَائِكَةُ[2]

''تمہارے ہاں روزے دار افطار کر رہے ہیں اور نیک لوگ تمہارا کھانا کھا رہے ہیں اور فرشتے تمہارے لیے دعائیں کر رہے ہیں''۔

یہ ایسے روشن آداب ہیں جن سے ہر مسلمان کو متصف ہونا چاہیے اور اس کے علاوہ اور بھی بہت سے آداب ہیں۔ کیونکہ شریعتِ موصوفہ نے کوئی چیز نہیں چھوڑی جس کو بیان نہ کیا ہو اور اگر ہم ان سب کو بیان کرنا چاہیں تو مقالہ طویل ہو جائے گا اور یہاں اتنی گنجائش نہیں ہے۔ واللہ اعلم

---
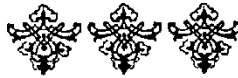
[1] اخرجه مسلم فی الاطعمة ' استحباب وضع النوی خارج التمر و استحباب دعاء الضیف لاهل الطعام' ۱۳/ ۲۲۵ شرح النووی۔

[2] اخرجه ابوداؤد فی الاطعمة' باب ماجاء فی الدعاء لرب الطعام و صححه' الألبانی ۲/ ۱۳۰ صحیح سنن ابی داؤد و ابن ماجه فی الصیام' باب فی ثواب من فطر صائما ۱/ ۲۹۱ صحیح سنن ابن ماجه۔

**پانچویں بحث :**

# اجازت لینے کے سلسلہ میں تنبیہات



اس سے پہلے کہ میں آدابِ استیذان کے متعلق بات چیت کو ختم کروں' میں یہ مناسب خیال کرتا ہوں کہ وہ بعض احتیاطیں ذکر کر دوں جو بعض لوگوں سے پوشیدہ ہیں جن میں چند درج ذیل ہیں:

**پھلی تنبیہ :**

کچھ ایسے مواقع اور حالات ہوتے ہیں جن میں اجازت لینے کی چنداں ضرورت نہیں ہوتی' ان میں سے ایک موقع وہ ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے خبردار کیا ہے جیسا کہ فرمایا:

﴿ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ مَسْكُوْنَةٍ فِيْهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ ﴾ (النور : ۲۹)

''البتہ تمہارے لیے اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ ایسے گھروں میں داخل ہو جاؤ جو کسی کے رہنے کی جگہ نہ ہوں اور ان میں تمہارے فائدے (یا کام) کی کوئی چیز ہو''۔

ان گھروں کی تفسیر اور ان کے متعلق علماء کے اقوال گزر چکے ہیں۔

(الفصل الاوّل بحث اوّل)

اور وہ حالات جن میں اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہوتی' گھر میں کسی امر کا اچانک پیدا ہو جانا جیسا کہ آگ لگ جانا یا چور کا گھس آنا یا کسی برائی کا ظاہر ہونا وغیرہ درین حالات میں استیذان کی خاص ضرورت نہیں ہوتی۔ (الکشاف ۳/۷۰)

اور کچھ حالات ایسے ہیں جن کا پہلے ذکر ہو چکا اور وہ عرف عام کی اجازت ہے۔[1]

### دوسری تنبیہ :

واپس لوٹ جانے کا امر ایک شرعی ادب ہے جس میں اللہ تعالیٰ کے حکم کی پوری اطاعت پائی جاتی ہے اور بعض سلف نے اس کی ترغیب دی ہے تا کہ اس کو تزکیہ قلب نصیب ہو۔[2]..... پس جب (کوئی) انسان اجازت طلب کرے اور اسے کہا جائے ''واپس چلے جاؤ'' تو اس کو واپس ہو جانا چاہیے اور اپنے دل میں کوئی میل اور کدورت نہ لائے تا کہ اس کا واپس لوٹنا کسی غصے کا باعث اور تفرقے کی وجہ نہ بنے اور یہ اس لیے کہ گھر کا مالک اس کا حق نہیں مار رہا ہے بلکہ وہ اس بات کا اختیار رکھتا ہے' چاہے تو اجازت دے اور چاہے تو روک دے۔

### تیسری تنبیہ :

بعض دفعہ انسان ایسے گھر کی طرف آتا ہے جس میں کوئی نہیں ہوتا اور وہ خیال کرتا ہے کہ اجازت کی ضرورت نہیں کیونکہ وہاں کوئی پردہ نشین نہیں ہے..... لیکن اس کا یہ خیال صحیح نہیں ہے کیونکہ اجازت صرف گھر والوں پر داخل ہونے کی وجہ سے نہیں ہوتی بلکہ اس وجہ سے بھی ہوتی ہے کہ گھر کے اندرونی حالات کا بھید کھلتا ہے اور ہر چیز پر نظر پڑتی ہے..... لہٰذا گھر پردہ کی جگہ ہے خواہ اس میں کوئی آدمی موجود ہو یا نہ ہو۔ پس بلا اجازت داخل نہ ہو۔[3]

### چوتھی تنبیہ :

گھر والے کی اجازت کے علاوہ کسی اور کی اجازت کا کوئی اعتبار نہیں۔ یا

---

[1] الفصل الثانی' المبحث السابع

[2] جامع البیان عن تاویل آی القرآن ۱۸/۱۱۳

[3] احکام القرآن لابن العربی ۳/۱۳۶۲

جس کو اجازت لینے والا گھر والے کی طرف سے اجازت کا مختار سمجھتا ہو جیسا کہ خادم وغیرہ گھر کے ذمہ دار افراد کی طرح اور اگر اجازت دینے والا بے سمجھ بچہ ہو تو گھر میں داخل نہیں ہونا چاہیے کیونکہ وہ اجازت دینے کے لیے معتبر آدمی نہیں ہے لیکن (سمجھدار) بچے' کافر اور عورت کی اجازت قبول کی جائے گی۔

امام ابن قیم رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ بچے' کافر اور عورت کی بات ہدیہ اور اجازت دینے میں قبول کی جائے گی اور اسی پر سلف و خلفِ امت کا عمل ہے جیسا کہ قرائن اس بات کی گواہی دیتے ہیں اور اس لیے بھی کہ عوام کو اس کی ضرورت عام طور پر پیش آتی رہتی ہے۔ (بدائع الفوائد ۶/۱)

## پانچویں تنبیہ :

کبھی کبھی اجازت بات کیے بغیر بھی دی جاتی ہے اور اس کے لیے کوئی نہ کوئی علامت ضروری ہے جیسا کہ پردہ ہٹا دینا یا پردہ لٹکا دینا وغیرہ اور یہ علامت اجازت دینے میں معتبر خیال کی جاتی ہے جیسا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے لیے آپ کا فرمان اس کی دلیل ہے:

اِذْنُكَ عَلٰى اَنْ يُرْفَعَ الْحِجَابُ وَ أَنْ تَسْمَعَ سِوادِیْ حتّٰی أَنْهَاكَ[1]

''میری طرف سے تیرے لیے اجازت کی علامت یہ ہے کہ پردہ کو ہٹا دیا جائے۔ اور تو میری خفیہ بات..... کو سن سکے یہاں تک کہ میں تمہیں روک دوں''۔

مذکورہ حدیث میں داخلے کی اجازت کے لیے کسی خاص علامت پر اعتماد کرنے کے جواز کی دلیل موجود ہے۔ پس جب آدمی اپنے گھر میں اجازت کی

---

[1] رواه مسلم فی الأداب' باب جعل الاذن دفع الحجاب ۱۴/ ۱۵۰ بشرح النووی۔

علامت پردہ ہٹانا مقرر کر دے تو پردہ ہٹنے پر بلا اجازت داخل ہونا جائز ہے۔[1]

لیکن گھر والے کو چاہیے کہ علامتِ مخصوصہ کے ساتھ تب تک اجازت نہ دے جب تک یقین نہ کر لے کہ اجازت طلب کرنے والا آدمی' اس کا جانا پہچانا ہے کیونکہ کبھی اجازت طلب کرنے والا کوئی اور بھی ہوسکتا ہے جس کے نتائج خطرے اور برائی کی صورت میں نکل سکتے ہیں۔[2]

**چھٹی تنبیہ :**

نہایت افسوس کی بات ہے جو آج کل عام ہو چکی ہے کہ بعض ایسے الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں جن سے پرہیز لازمی ہے جیسا صبح بخیر وغیرہ۔

بعض آدمی ایسے ہیں کہ جب آپ انہیں سلام کہیں گے تو اس کا جواب أھلاً (خوش آمدید) سے دیں گے۔ حالانکہ یہ الفاظ سلام کا جواب نہیں ہو سکتے اور سب کو معلوم ہے کہ سلام کا مسنون جواب ہی واجب ہے اور سلام کا جواب سلام کے ساتھ ہی دینا جائز ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کے درج ذیل فرمان سے :

﴿ وَإِذَا حُيِّيتُم بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوا بِأَحْسَنَ مِنْهَا أَوْ رُدُّوهَا ﴾

(النساء : ٨٦)

''اور جب کوئی احترام کے ساتھ تمہیں سلام کرے تو اس کو اس سے بہتر طریقہ کے ساتھ جواب دو یا کم از کم اسی طرح''۔

بعض لوگ یہ استدلال کرتے ہیں کہ ہم سلام کے علاوہ دوسرے بہترین الفاظ سے سلام کا جواب دیتے ہیں۔ حالانکہ یہ استدلال غلط ہے کیونکہ مسنون سلام

---

[1] شرح النووی علی مسلم ١٤/ ١٥٠

[2] الآداب الشرعیه والمنح المرعية ١/ ٤٠٢

کے علاوہ کوئی چیز اس سے بہتر نہیں ہوسکتی اور یہی بات رسول اکرم ﷺ سے منقول ہے۔اور آیت سے مقصود یہ ہے کہ اس کا جواب اس جیسا یا اس سے بہتر (یعنی اس سے الفاظ بڑھا کر) دینا چاہیے جیسا کہ مفسرین نے اس کو ذکر فرمایا ہے۔[1]

اس میں کوئی امر مانع نہیں کہ انسان سلام کے علاوہ دوسرے الفاظ سے کسی کو مرحبا کہہ دے لیکن سلام کا مسنون جواب دینے کے بعد...... جیسا کہ نبی کریم ﷺ سے آیا ہے۔کہ آپؐ نے فرمایا: مَرْحَبًا بِاُمِّ هَانِیءٍ اور اپنی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرماتے مَرْحَبًا بِابْنَتِیْ۔[2]

لہٰذا مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے پیغمبر حضرت محمد ﷺ کے طریقے کو مضبوطی سے تھام لے کیونکہ اسی میں آداب ہیں اور وہ الفاظ بھی ہیں جو اپنی طرف سے غیروں کے داخل کیے ہوئے الفاظ سے مسلمان کو بے پرواہ کر دیتے ہیں کہ ان کو اپنی مجلسوں میں استعمال کرے۔

## ساتویں تنبیہ :

اجازت نہ مانگنے سے مسلمان کو احتراز کرنا چاہیے اور اس کو جاننا چاہیے کہ اجازت نہ لینے سے بہت سی خرابیاں رونما ہوتی ہیں جو درج ذیل ہیں:

☆ اللہ اور اس کے رسول اللہ ﷺ کی منع کی ہوئی بات (بلا اجازت داخل ہونا) کا ارتکاب کرنا اور اس نہی کے ارتکاب سے گناہ حاصل ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی شریعت پر عمل کرنے کا اجر فوت ہو جاتا ہے۔

☆ گھروں کے اندر لوگوں کی چھپی ہوئی اشیاء پر نظر پڑتی ہے' کیونکہ گھر اپنی

---

[1] زاد المسیر ۲/۱۵۲ و المحرر الوجیز ۴/۱۹۶ و تفسیر القرآن العظیم ۱/۸۵۰۔

[2] اخرجه البخاری فی الادب باب قول الرجل مرحبا ۱۰/۵۷۸ فتح الباری۔

اشیاء (قابل پردہ) کو اس طرح چھپا لیتا ہے جس طرح کہ کپڑا انسان کے پوشیدہ مقامات کو چھپا لیتا ہے۔

☆ بلا اجازت داخل ہونے والے پر شک وشبہ ہو جاتا ہے اور اس پر برائی کی تہمت لگ جاتی ہے کیونکہ بلا اجازت داخل ہونا ایک قسم کی چوری ہے۔

## آٹھویں تنبیہ:

جب نماز پڑھنے والے پر اجازت طلب کی جائے تو اگر نماز پڑھنے والا آدی ہو تو ''سبحان اللہ'' کہے گا اور اگر عورت ہوگی تو تالی بجائے گی کیوں کہ آپ ﷺ کا فرمان ہے:

اِذَا اسْتُوْذِنَ عَلَى الرَّجُلِ وَهُوَ يُصَلِّيْ فَاِذْنُهُ التَّسْبِيْحُ وَ اِذَا اسْتُوْذِنَ عَلَى الْمَرْأَةِ وَ هِيَ تُصَلِّيْ فَاِذْنُهَا التَّصْفِيْقُ۔[1]

''جب آدمی سے اجازت مانگی جائے اور وہ نماز پڑھ رہا ہو تو اس کی اجازت سبحان اللہ کہنا ہے اور جب عورت سے اجازت مانگی جائے اور وہ نماز پڑھ رہی ہو تو اس کی اجازت تالی بجانا ہے''۔

اور صحیحین میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

اَلتَّسْبِيْحُ لِلرِّجَالِ وَ التَّصْفِيْقُ لِلنِّسَاءِ۔[2]

''آدمیوں کو سبحان اللہ کہنا چاہیے اور عورتوں کو تالی بجانا چاہیے''۔

☆ نمازی کا سبحان اللہ کہنا یا تالی بجانا اس کی اجازت ہوتی ہے۔

---

[1] رواه البيهقي في (السنن الكبرىٰ ٢/٢٤٧) و صححه الألباني في السلسة الصحيحة ١/٨١٥۔

[2] رواه البخاري في كتاب العمل في الصلوٰة، باب التصفيق للنساء ٣/٩٣ فتح الباري و مسلم في كتاب الصلوٰة باب تسبيح الرجل و تصفيق المراة اذا نابهما شيء في الصلوٰة ٤/١٤٨۔

☆ اور اس سے یہ احتمال ہوتا ہے کہ تسبیح و تصفیق کرنے والا نماز پڑھ رہا ہے اور اس میں عرف کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔

☆ اور یہ بھی قابل غور ہے کہ نماز میں سبحان اللہ پڑھنے اور تالی بجانے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

☆ اور یہ تالی بجانا اور سبحان اللہ عام ہے جو اجازت کے مسئلے کے بغیر بھی استعمال ہوتا ہے' پس جو کچھ نمازی کو پیش آئے' آدمی سبحان اللہ کہے گا اور عورت تالی بجائے گی۔ تسبیح و تصفیق نہ تو نماز توڑتی ہے اور نہ ہی اس پر اثر انداز ہوتی ہے۔ واللہ اعلم۔

## نویں تنبیہ :



کس عمر میں بچوں کو گھر کے اندر اجازت لینی چاہیے؟ بہتر تو یہ ہے کہ بچوں کو چھوٹی عمر سے ہی اجازت مانگنے کی تربیت دینی چاہیے لیکن جب وہ مرد و زن کی خفیہ باتوں کو پہچاننے لگیں تو اجازت مانگنا واجب اور ضروری ہو جاتا ہے اور کسی عمر کے ساتھ اس کو مقید نہیں کیا گیا۔
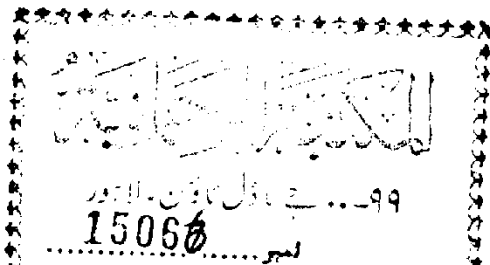
# خاتمة الكتاب

الحمدللہ الذی بنعمتہ تتم الصالحات. وبعد!

پس یہ کاوش ہے جسے کوشش نے سما لیا اور جس پر قلم نے سخاوت کی اور وقت نے اس پر عنایت کی۔ میں نے اپنی طاقت خرچ کر دی اور اپنی تمام گنجائش صرف کر دی۔ اگر یہ مقالہ درست ہے تو اللہ کی توفیق اور برکت سے اور اگر اس میں کوئی کمی رہ گئی ہو تو یہ میری کمزوری تصور کی جائے اور میں کمال کا دعویٰ نہیں کرتا...... ہر ایک کی بات قبول بھی کی جا سکتی ہے اور رد بھی کی جا سکتی ہے سوائے صاحب رسالت ﷺ کے۔

استیذان اور اس کے آداب کی تحقیق کرتے ہوئے کتاب و سنت کی روشنی میں جو باتیں مجھے واضح طور پر معلوم ہوئی ہیں' درج ذیل ہیں:

1 اجازت لینا ایک بلند پایہ ادب ہے جس کا قرآن و سنت نے خاطر خواہ اہتمام کیا ہے۔

2 اجازت طلب کرنے کا حکم آدمیوں اور عورتوں کے لیے یکساں ہے' نیز بچوں اور غلاموں کے لیے بھی' جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے اور استیذان کی آیات میں کسی قسم کا کوئی نسخ نہیں ہے۔

3 داخل ہوتے وقت سلام کہنا مطلق طور پر مشروع ہے۔

4 اجازت لینے سے پہلے سلام کہنا چاہیے "السلام علیکم! کیا میں داخل ہو سکتا ہوں"؟

5 اجازت تین دفعہ لینی چاہیے اگر اجازت مل جائے تو بہتر ورنہ آدمی کو لازماً واپس چلا جانا چاہیے۔

6 اگر کوئی انسان بلا اجازت کسی دوسرے کے گھر جھانکے اور اس کی آنکھ پھوڑ دی جائے تو اس پر کوئی مؤاخذہ نہیں ہوگا۔

7 جب آدمی کو بلایا جائے اور وہ قاصد کے ساتھ ہی آ جائے تو قاصد ہی اس کی اجازت ہوتا ہے اور اگر قاصد سے پیچھے رہ جائے تو اسے اجازت لینی پڑے گی۔



8 اجازت لینے والے سے جب پوچھا جائے کہ تم کون ہو تو اس کو اپنا نام کنیت یا جس لقب سے وہ مشہور ہو بتانا چاہیے۔

9 اجازت لینے والے پر واجب ہے کہ وہ دروازے کے سامنے کھڑا ہونے کی بجائے دائیں یا بائیں کھڑا ہو۔

10 گھر کے مالک یا اس کے قائم مقام کی اجازت کے سوا کسی اور کی اجازت معتبر نہیں ہے لہٰذا معصوم بچے وغیرہ کی اجازت معتبر نہ ہوگی۔

11 گھر کی عزت وحرمت مسلم ہے حتیٰ کہ خالی ہونے کی صورت میں بھی' لہٰذا بلا اجازت داخل نہ ہوا جائے۔

12 بعض حالات میں اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہوتی جیسا کہ عام جگہیں اور باغیچے وغیرہ اور گھر میں آگ لگنے یا چور کے گھس آنے کی صورت میں۔

یہ میری بحث کا خلاصہ ہے اور میں اللہ سے دعا گو ہوں کہ وہ میرے اس عمل کو اپنی رضا کے لیے خالص کرے اور ہمیں ان اعمال کی توفیق دے جن کو وہ پسند کرتا ہو اور ان سے راضی ہوتا ہو۔ یقیناً وہ انتہائی سخی اور عزت والا ہے۔

وَ صَلَّى اللّٰهُ عَلٰى نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِهٖ وَ صَحْبِهٖ اَجْمَعِيْنَ.

کہا جاتا ہے کہ کتاب کی ورق گردانی کرنے والا اس کے لکھنے والے کی نسبت غلط مقامات سے زیادہ واقف ہوتا ہے۔

# ہماری چند دیگر کتب